ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

دین اسلام کی جامعیت

’’اسلام توحید خالص کا دین ہے، وہ خدا اور بندہ کے درمیان کسی وساطت اور ’’ایجنسی‘‘ کا قائل نہیں، وہ کسی ایسی محسوس اور مادی چیز کا روادار نہیں جس کو انسان اپنے فکر و خیال میں معبود کی طرح بسا کر اپنی ساری توجہ اور ہمت وقوت اس پر مرکوز کر دے اور اس کے دامن سے وابستہ ہو جائے، اس میں نہ تو واسطوں کی گنجائش ہے نہ مظاہر کی، نہ تصویروں کی نہ بتوں کی، نہ یہاں پادری اور پروہت کے قسم کا کوئی طبقہ پایا جاتا ہے، نہ کاہنوں اور مجاوروں کے طرز کی کوئی جماعت، یہ ایک ایسا دین ہے جو خیال کی پاکی، فکر کی بلندی، نیت وارادہ کی صفائی اور درستی، غیر سے بے تعلقی اور عمل میں اخلاص کے اس معیار اور فکر وعقیدہ کی اس سطح پر ہے جس سے بہتر معیار اور بلند سطح ناقابل تصور ہے، دنیا کے تمام مذاہب، فلسفے، دینی اور عقلی نظام اور پوری انسانیت مل کر بھی آج تک اس جیسی کوئی چیز پیش کرنے سے قاصر رہی اور اس کے معیار کے قریب بھی اس کی رسائی نہ ہو سکی۔‘‘

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

مرکز الإمام أبی الحسن الندوي

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

شب برأت کا پیغام

مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

’’چاند نظر آیا شعبان کا کہ دھیان بندھ گیا رمضان کا، اب ہر وقت روزوں کی فکر واہتمام، ماہ مبارک ہی کی پیش وائی کا انتظام اور جو ہمت یاوری کر گئی تو اسی مہینہ سے روزے رکھنے شروع کر دیے کہ ہمارے آقا رسول اللہ ﷺ کا دستور یہی تھا۔

سارے مہینے کے روزے رکھ ڈالنا تو ہمت وروں کا کام ہے، باقی اتنی ہمت نہ ہوئی‘ جب بھی مہینہ میں کم از کم ایک روزہ ۱۵ر شعبان کو تو رکھ ہی لیا، ۱۴ر کا دن ختم ہوا اور پندرہویں شب آئی کہ مصلّی دعا وعبادات کا بچھا کر بیٹھ گئے، خواہ مسجد میں خواہ گھر میں، آج کی رات برکت والی، رحمت والی، مغفرت والی رات ہے، شریعت کی زبان میں ’’لیلۃ البرأت‘‘ ہے اور برأت کے معنی نجات کے، قید سے چھوٹنے کے، عذاب سے آزاد ہونے کے ہیں، لطف ونوازش کی دولت لٹتی ہر رات کو ہے، آج اور زیادہ لٹے گی، رحمتوں کا نزول ہوتا ہر رات کو ہے، آج اور زیادہ رہے گا، مانگنے والے آج خوب خوب مانگیں گے، پانے والے آج خوب خوب پائیں گے، نمازیں پڑھتے تو ہر رات کو تھے، آج اور زیادہ پڑھیں گے، نفلوں کی تعداد آج معمول سے بڑھائیں گے، رات کے زیادہ سے زیادہ حصے جاگ کر بسر کریں گے، نیند اڑائیں گے، داستانیں سن سن کر نہیں، ناٹک‘ سوانگ آپیرا دیکھ دیکھ کر نہیں، گلے کی تانوں اور باجے کی الاپوں میں گم ہو ہو کر نہیں‘ نمازیں پڑھیں گے، قرآن مجید کی تلاوت کریں گے، دعائیں مانگیں گے، اپنے لیے بھی‘ دوسروں کے لیے بھی‘ زندوں کے لیے بھی‘ مردوں کے لیے بھی۔

سیدھے سادے مسلمان آج رات کو نرم نرم بستروں کو چھوڑ کر‘ نیند کے مزہ سے منہ موڑ کر‘ اپنے اپنے گھروں سے باہر نکلیں گے، یار دوستوں کے چہچہوں کے لیے نہیں‘ غفلت کے قہقہوں کے لیے نہیں، عبرت کے آنسوؤں کے لیے، آہوں کے لیے، دعاؤں کے لیے، اس وقت کے سماں کا کیا کہنا! وہ پندرہویں کے پورے چاند کا نکھار، گویا آسمان سے زمین تک بارش انوار، وہ قبرستانوں کا سناٹا، وہ دلوں میں عبدیت کا احساس، وہ زندوں کا مردوں کے حق میں دعائیں کرنا، لجاجت کے ساتھ‘ منت وسماجت کے ساتھ! منظر اس سے بھی بڑھ کر مؤثر اور کون سا ہوگا؟ تعلق سننے سے نہیں‘ دیکھنے سے ہے اور دیکھنے سے بھی بڑھ کر خود عمل کرنے سے ہے! ——— بندہ نواز کی بندہ نوازی جوش میں اب بھی نہ آئے گی تو کب آئے گی؟ مانگنے والے‘ اب کون بتائے‘ کیا کیا پاتے ہیں، واپسی میں کیا کیا لاتے ہیں! گھر آئے تو کسی نے برائے نام سحری کھائی اور کسی نے ذری کی ذری کمر سیدھی کر لی، فجر میں اب دیر ہی کتنی اور تہجد بھلا آج کیوں ناغہ ہونے لگے!

صبح ہوگئی اور آج دن میں روزہ ہے، خبر دی ہے اس مخبر صادق نے جو ہم سب سے کہیں زیادہ علم والا تھا کہ آج آسمانی دنیا پر گویا ’’سال تمام‘‘ کا دن ہوتا ہے، ہر شخص کا ’’چٹھا‘‘ کٹ جاتا ہے، اس کی موت زندگی‘ بیماری تن درستی‘ تنگی خوش حالی‘ غم وشادمانی‘ سب کا حساب سال بھر کے لیے آج ہی فرشتوں کے رجسٹر میں درج ہو جاتا ہے۔ مبارک ہے وہ بندہ جس کا نام ایسے وقت رجسٹر میں درج ہو کہ وہ مالک کی چاکری میں کمر بستہ پایا جائے، دن ہو تو روزہ دار‘ رات ہو تو تہجد گذار۔ خوش نصیب ہے وہ ملت جس کا ایک ایک فرد آج اپنے نفس کی اصلاح واحتساب کا سالانہ پروگرام بنائے۔ بدی کی مخالفت کا‘ نیکی کی متابعت کا بیڑا اٹھائے، پس یہ ہے کل کائنات مذہبی حیثیت سے شبرات کی، رتجگا نہ سنیما‘ کارنیوال نہ ڈراما‘ نوبت نہ روشن چوکی‘ آتش بازی نہ حلوے سازی‘ ناچ نہ رنگ‘ نہ شرابیوں جواریوں کے ڈھنگ‘ رات کی عبادت اور دن کا روزہ۔ بس اللہ اللہ خیر صلّاح!‘‘

(نشریات ماجد: ۸۱-۸۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۵ | شعبان المعظم ۱۴۴۴ھ - مارچ ۲۰۲۳ء | شمارہ: ۳

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (صدر، دارعرفات)

ماہِ شعبان کی عظمت وفضیلت

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

"شَعْبَانُ شَهْرِیْ فَمَنْ عَظَّمَ شَعْبَانَ فَقَدْ عَظَّمَ أَمْرِیْ وَمَنْ عَظَّمَ أَمْرِیْ كُنْتُ لَهٗ فَرَطاً وَذُخْراً يَوْمَ الْقِيَامَةِ."

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(شعبان میرا مہینہ ہے، تو جس نے شعبان (کے مہینہ) کی تعظیم کی، اس نے میری تعظیم کی اور جس نے میری تعظیم کی تو میں اس کے لیے آگے ہوں گا اور ذخیرہ ہوں گا قیامت کے دن)

(شعب الإيمان للبيهقي: ۳۸۱۳)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: -/Rs.15 | E-Mail: markazulimam@gmail.com | سالانہ زرتعاون: -/Rs.150

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

فہرس

امت کے تحفظ و بقا کا راز (اداریہ).....۳

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

ہندوستان میں اسلام کی دعوت وتبلیغ.....۴

.....حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

انسانی تعاون کی اہمیت.....۵

.....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

شب برأت اور ہمارا طرز عمل.....۷

.....مولانا خالد غازی پوری ندوی

اخلاص اور ریاکاری.....۹

.....مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی

تقویٰ کیا ہے؟.....۱۱

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

نکاح کے چند مسائل.....۱۳

.....مفتی راشد حسین ندوی

حلال وطیب رزق کی اہمیت.....۱۵

.....عبدالسبحان ناخدا ندوی

دینی استقامت اور ایمان کی اہمیت.....۱۷

.....محمد امین حسنی ندوی

مولانا علی میاں ندویؒ بحیثیت ناظم ندوۃ العلماء.....۱۸

.....محمد ارمغان بدایونی ندوی

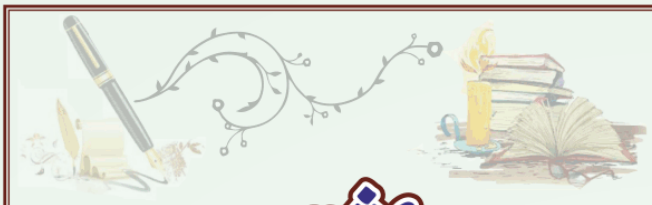

حیات عشق کا اعجاز

نتیجۂ فکر:- پروفیسر رشید کوثر فاروقی

ہائے کیا شے ہے حیات عشق کا اعجاز بھی
ساز میں اک سوز بھی ہے، سوز میں اک ساز بھی

غور سے سنئے، بڑی شورش بڑا ہنگامہ ہے
اتنی آوازوں میں ہوگی دل کی اک آواز بھی

حسن کیسا حوصلہ کیا بے خدا تہذیب کا
پاؤں بھی طاؤس کے، طاؤس کی پرواز بھی

ہم صفیرو آؤ ان تاروں کی دنیا میں چلیں
ڈھونڈ لیں اپنی زمیں کی پستیوں کا راز بھی

زندگی فکر وعمل کے زیر وبم کا نام ہے
یہ سکونِ ساز بھی ہے اضطرابِ ساز بھی

ایک منزل آئی، ٹھہرے اور آگے بڑھ گئے
یعنی ہر انجام ہے اپنی جگہ آغاز بھی

برمحل جب پرفشانی کا سلیقہ ہی نہیں
شامت پرواز ہے یہ حسرت پرواز بھی

کوئی جگنو ہی سے تہذیب تمنا سیکھ لے
روشنی کا اک دریچہ بند بھی، اک باز بھی

خود فریبی کی یہ رنگینی کہاں رہ جائے گی
ڈر رہا ہوں کھل نہ جائے مجھ پہ میرا راز بھی

جذب دل کوثرؔ اگر جادہ کشا ہوتا نہیں
پھیر دیتی ہیں چٹانیں تند رَو آواز بھی

بلال عبدالحی حسنی ندوی

امت کے تحفظ و بقا کا راز

یہ امت امت دعوت ہے اور یہی اس کی خیر امت ہونے کی کھلی نشانیوں میں سے ہے، دعوت ہی سے اس کی بقا ہے، جو قومیں دعوتی مزاج رکھتی ہیں وہ زندہ رہتی ہیں، ورنہ وہ برف کی طرح پگھل جاتی ہیں، اس امت کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک زندہ رہنے کے لیے پیدا فرمایا ہے، اس لیے نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے دعوتی مزاج رکھنے والی ایک ایسی جماعت تیار کردی جس نے دنیا کے بڑے حصہ کو بہت کم مدت میں دعوت آشنا بنا دیا، ان کا ایک ایک فرد تحریک بن گیا، جو کام بڑی بڑی تحریکات نہیں کرسکتیں وہ کام ایک ایک فرد نے کرکے دکھا دیا، یہ امت جب تک اپنے دعوتی مشن کے ساتھ آگے بڑھتی رہی اس کو کوئی طاقت روک نہیں سکی، دعوت کی اس طاقت نے تسخیر عالم کا کام کیا، لیکن جب سے اس کی دعوتی اسپرٹ (Spirit) میں کمی آنے لگی، حالات بدلنے لگے، آہستہ آہستہ وہی امت جس کا نام سکہ رواں کی طرح چلتا تھا، جس کے رعب سے سلطنتیں کانپتی تھیں، یورپ جس کی غلامی کو اپنے لیے قابل فخر سمجھتا تھا، جس کے ایجاد کردہ علوم وفنون پر آج کی ترقی کی بنیاد ہے، اس نے اپنا مقام کھو دیا، قومیں اس پر ٹوٹ پڑیں، اس کی طاقت تاش کے پتوں کی طرح بکھر گئی، خلافت اسلامیہ کا نشان مٹ گیا اور غلامانہ ذہنیت رکھنے والے وہ حکام مسلط کردیے گئے جو پوری اسلامی تاریخ کے لیے کسی کلنک کے ٹیکہ سے کم نہیں۔

دعوت اپنوں میں ہو یا غیروں میں یہ ایک اہم ترین دینی فریضہ ہے، امت کے تحفظ و بقا کا راز بھی اسی میں مضمر ہے، بقائے عالم کی موجودہ کوششوں میں یہ فکر بھی پیش کی جاتی ہے کہ ہر مذہب والا اپنے مذہب پر عمل کرے کوئی کسی کو نہ روکے نہ ٹوکے، تاکہ ہر شخص آزادی کے ساتھ زندگی گزار سکے، اسلام میں اس کا تصور بھی ممکن نہیں، ہوسکتا ہے کہ کسی ضروری مصلحت کی خاطر کسی علاقہ میں محدود وقت کے لیے اس پر عمل کرلیا جائے لیکن اسلامی مزاج سے اس کا کوئی تعلق نہیں، بھلائی کی تلقین کرنا، اس کا ماحول بنانا، اس کو عام کرنے کی کوشش کرنا مسلمانوں کے فرائض منصبی میں داخل ہے، برائی کو برائی سمجھنا، اس کو برا کہنا، ماحول کو اس سے پاک کرنے کی کوشش کرنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔

موجودہ مسلم معاشروں میں یہ خرابی بڑھتی چلی جارہی ہے کہ برائیوں کو دیکھ کر دل نہیں کانپتا، اس کا احساس ختم ہوتا چلا جارہا ہے، وہ معاشرہ کسی مسلمان ملک کا ہو یا دوسرے ملک کی مسلم آبادیوں کا، کوئی برائی داخل ہوتی ہے پھر بڑھتے بڑھتے وہ سب کو اپنے لپیٹ میں لے لیتی ہے، ظاہری طور پر دین دار لوگ اس میں مبتلا ہوتے جاتے ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ پہلے ہی مرحلہ میں اس کے سد باب کی کوشش نہیں کی جاتی، یہ ایک ایسا خطرناک سلسلہ ہے جو ارتداد تک پہنچا سکتا ہے اور اس دور میں اسلام دشمن طاقتوں نے یہی حربہ اختیار کیا ہے کہ مسلمانوں میں ایک ایک کرکے ایسی برائیاں عام کی جائیں کہ آہستہ آہستہ ان کا اسلامی تشخص تحلیل ہوکر رہ جائے اور کچھ عرصہ کے بعد ان کے اندر اس کا احساس بھی ختم ہوجائے۔

یہ ایک نفسیاتی چیز ہے کہ آدمی جس ماحول میں رہتا ہے اس کا عادی بن جاتا ہے، گندے ماحول میں رہنے والے گندگی کو محسوس نہیں کر پاتے، جو لوگ تاریکی میں رہتے ہیں ان کو تاریکی کی شدت کا احساس نہیں ہوتا، لیکن جو لوگ روشنی سے تاریکی میں جاتے ہیں وہ ایک قدم آگے نہیں بڑھا سکتے، یہی حال ان منکرات کا ہے جو معاشرہ میں آہستہ آہستہ پنپتی ہیں اور ان کی فکر نہیں کی جاتی، آج الکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا کے ذریعہ عالمی ماحول کو کرپٹ (Corrupt) کرنے کی کوشش ہورہی ہے اور اس کا سب سے بڑا نشانہ مسلمان ہیں، دین کے دشمنوں کا نشانہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہر محاذ سے ایسا کرپٹ کردیا جائے کہ وہ پوری طرح کھوکھلے ہوکر رہ جائیں اور پھر ان میں کسی مقاومت کی استطاعت بھی باقی نہ رہے، اس خطرناک سازش سے مقابلہ کا بڑا ہتھیار یہ دعوت ہے، اس کی بیداری پیدا ہوجائے تو مسلمانوں کو کوئی بھی لقمہ تر نہیں بنا سکتا۔

منکرات کے سیلاب پر بھلائیوں کا جو باندھ باندھا گیا تھا اس میں جگہ جگہ سوراخ کردیئے گئے ہیں، مسلمانوں کا لقب ''خیر امت'' ہے، ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان منافذ کو بند کرنے کی کوشش کریں، ورنہ اس کا خطرہ ہے کہ کہیں پوری انسانیت منکرات کے اس سیلاب کی نذر نہ ہو جائے اور پھر اس کے بعد سنبھالنا مشکل ہو۔

ہندوستان میں اسلام کی دعوت وتبلیغ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

ہندوستانی مسلمان آج کل ایک آزمائش کے دور سے گذر رہے ہیں اور ان کو اپنی قومی زندگی میں چند دشواریوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، جن میں سب سے پہلا مسئلہ وہ مشکلات ہیں جو جدید ہندوستان میں دعوت وتبلیغ دین کے کام میں پیش آ گئی ہیں، اس حقیقت سے کون ناواقف ہوگا کہ اسلام ایک دعوتی وتبلیغی مذہب ہے، پوری دنیا میں اسلام دعوت وتبلیغ ہی کے ذریعہ پھیلا، ہندوستان میں بھی مخلص مبلغوں' دیانت داروں' تاجروں' خدا رسیدہ بزرگوں اور صوفیائے کرام کی تبلیغ کی برکت سے جو لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے ان کی تعداد ان مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہے جو خالص اسلامی ملکوں سے براہ راست ہندوستان آئے، اسلام کی بے لوث تبلیغ ہر زمانہ میں مسلمانان ہند کے لیے نئی روح اور نیا خون فراہم کرتی رہی ہے۔

تبلیغ اسلام کا یہ سلسلہ مسلمانوں کے اخیر دور حکومت تک اور پھر انگریزی حکومت کے آخری زمانہ تک کامیابی کے ساتھ جاری رہا، ہر سال کثیر تعداد میں غیر مسلم بہ رضا ورغبت حلقہ بگوش اسلام ہوتے رہے، کیونکہ اسلام اپنے حکیمانہ اصول' توحید خالص کے عقیدہ' عدل وانصاف پسندی اور مساوات عامہ میں دوسرے تمام مذاہب سے ممتاز تھا، طبقاتی تفاوت' چھوت چھات اور نجاست وغیرہ جیسے عقائد کا اس کے اندر کوئی تصور نہ تھا۔ قرآن مجید، سیرت رسولؐ اور اسلام کی تعلیمات دلوں کو فتح اور دماغوں کو تسخیر کر رہی تھیں۔ اگر حالات کی رفتار یہی رہتی تو بہت ممکن تھا کہ اسلام برصغیر ہند بلکہ پورے براعظم ایشیا کی عظیم ترین مذہبی طاقت بن جاتا، لیکن مسلمانان ہند اور برادران وطن کے درمیان سیاسی معرکہ آرائی شروع ہوئی جو بعد کو اس حد تک بڑھی کہ دونوں فرقوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی طرف سے نفرت وعداوت کی آگ بھڑک اٹھی اور شکوک وشبہات کی نا قابل عبور دیواریں درمیان میں حائل ہوگئیں جس کے نتیجہ میں ملک کی تقسیم عمل میں آئی اور دو آزاد حکومتیں قائم ہوگئیں۔

اس سیاسی فضا نے جو مخصوص حالات کی پیدا کردہ تھی یا جسے ہندوستان نے بادل ناخواستہ یا بہ رضا ورغبت اختیار کیا تھا، دونوں فرقوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف شکوک وشبہات کی نہ مٹنے والی تلخی پیدا کردی، ہر فرقہ دوسرے فرقہ کی چیزوں کو نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھتا ہے، خواہ ان چیزوں کا تعلق فریق مخالف کے مذہب وعقیدہ سے ہو یا تہذیب وتمدن اور افکار وخیالات سے ہو، چنانچہ یہ جذبہ نفرت ہندوستان میں اسلام کی دعوت وتبلیغ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن کر سامنے آیا اور اسلام کے بارے میں اب عام تصور یہ ہوگیا ہے کہ وہ ایک ایسے ملک کا سرکاری مذہب ہے جو فریق مخالف کی حیثیت رکھتا ہے، یا اس قوم کا مذہب ہے جس سے عرصہ تک سیاسی کشمکش' فرقہ وارانہ جنگیں' پارلیمانی مباحث ہوتے رہے ہیں، ان کی یاد اب تک ذہنوں میں تازہ ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی یہ بہت بڑی دشواری ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ زمانہ جیسے جیسے آگے بڑھے گا، اسی قدر اس مشکل کے حل کے سامان فراہم ہوں گے اور اسلام از سر نو ہر دل عزیزی اور محبوبیت حاصل کرے گا، بشرطیکہ مسلمان دعوت وتبلیغ کا کام حکمت عملی' خلوص اور بے غرضی سے کریں، انکے سامنے کوئی سیاسی مقصد یا اقتدار کی ہوس اور قومی برتری کا خیال نہ ہو، رشد وہدایت، خدمت خلق، وعظ وارشاد اور بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی اور شفقت، انہیں دنیا وآخرت کی ہلاکت خیزیوں سے نجات دلانا' ان کے پیش نظر ہو۔

ہندی اور دوسری علاقائی زبانوں میں سیرت نبویؐ اور اسلامی تعلیمات پر مشتمل دل آویز اور فکر انگیز لٹریچر جدید اسلوب نگارش میں ہندوستانی سماج کے سامنے پیش کیا جائے۔ اپنی روحانی واخلاقی صلاحیتوں کا ثبوت دینا' اس ملک کے ساتھ اخلاص ومحبت اور اس کی ترقی وخوش حالی کے لیے جدوجہد بھی نہایت ضروری چیز ہے۔

(ہندوستانی مسلمان: ۱۸۱-۱۸۵)

انسانی تعاون کی اہمیت

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

ہمارا پورا معاشرہ، ہماری تہذیب وتمدن، ہمارا رہائشی اور شہری نظام غرض جو کچھ بھی ہے، یہ آپس میں باہمی تعاون سے چل رہا ہے اور ایسے تعاون سے چل رہا ہے کہ بعض اوقات بڑی حیرت ہوتی ہے، مثلاً: آپ جو کرتا پہنتے ہیں، آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کا کرتا ہے، آپ نے اس کو حاصل کیا ہے، اس میں آپ پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے، لیکن اگر آپ غور کریں کہ یہ کرتا آپ کو کیسے ملا؟ تو پتہ چلے گا کہ یہ کرتا کئی مراحل سے گذر کر ہم تک پہنچا، وہ اس طرح کہ اگر اس کا سوت نہ بنایا جاتا اور نہ کاتا جاتا، پھر اس کے بعد اس سے کپڑا نہ بنایا جاتا، پھر اس کے بعد اس کپڑے کو بازار میں نہ لایا جاتا اور پھر آپ درزی سے نہ سلواتے تو کیا آپ کو یہ کرتا ملتا؟ ظاہر ہے اگر اس میں سے آپ کوئی بھی ایک کڑی نکال دیں تو کرتا حاصل ہونا ناممکن تھا، اگر بازار سے کپڑا لایا نہیں جاتا یا آپ خود درزی نہیں ہیں اور کوئی سلنے والا بھی نہیں ہے تو آپ کا یہ کرتا بننا مشکل تھا، معلوم ہوا کئی آدمی بیچ میں ہیں جن کے تعاون سے آپ کا یہ کرتا بنا ہے، تو اس سے یہ بات بھی پتہ چل گئی کہ یہ کرتا صرف آپ کے چاہ لینے سے نہیں بنا، بلکہ اس کے بنانے میں کئی لوگ شریک ہوئے اور وہ سب غیر لوگ ہیں۔

اسی طرح آپ بطور مثال پانی لے لیں جو انسان کی ایک بنیادی ضرورت ہے، جس سے انسان کی بقا وابستہ ہے، اس کے بارے میں بھی اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ پانی بھی آپ تنہا حاصل نہیں کر سکتے تھے، اس لیے کہ اگر کنواں نہ بنایا گیا ہوتا، یا آج کے زمانہ کے اعتبار سے بورنگ نہ ہوئی ہوتی اور پمپ نہ لگایا گیا ہوتا، پھر وہ پمپ کارخانہ میں بنایا نہ گیا ہوتا، تو آپ کے لیے پانی کا ایک بوند بھی حاصل کرنا مشکل تھا۔

مذکورہ مثالوں سے یہ سمجھنا آسان ہوگا کہ انسان باہمی تعاون کی بنیاد پر سکون کی زندگی گذار رہا ہے، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم صرف یہی سمجھ لیتے ہیں کہ یہ چیز ہماری ہے اور ہم نے حاصل کی ہے، اس میں ہم پر کسی کا احسان نہیں ہے، حالانکہ اگر آپ تعاون ہٹا کر دیکھیں تو دنیا میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو تنہا آپ نے حاصل کر لی ہو، ہماری ہر چیز دوسروں کے تعاون اور شرکت سے ہے، یہ نظام شرکت ہے جس سے ہماری انسانی زندگی چل رہی ہے، لیکن ہم بہت بڑی بھول میں ہیں اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بذات خود کافی ہیں، ہم ہی سب کچھ کر رہے ہیں، جب کہ ہم تنہا کچھ نہیں کر رہے ہیں، بلکہ ہماری یہ زندگی آپس کی شرکت وتعاون سے چل رہی ہے۔

زندگی میں آپسی شرکت وتعاون کی اس اہمیت کے اندازہ کے بعد سوال یہ قائم ہوتا ہے کہ جب ہماری زندگی اس بات کی محتاج ہے کہ ہم کو دوسروں کا تعاون حاصل ہو، تو ہم بھی دوسروں کے ساتھ ہمدردی والا تعاون کیوں نہیں کرتے ہیں؟ ایک شخص نے چاہے اپنے کام کی قیمت لی ہو، لیکن اتنا طے ہے کہ ہماری ضرورت پوری کرنے میں اس کا ہاتھ لگا اور اس کے بغیر ہماری وہ ضرورت پوری نہیں ہو سکتی تھی، مگر اس کے باوجود بھی ہم اس کے ساتھ ہمدردی نہیں کر رہے ہیں اور اس کو دوسرا سمجھ رہے ہیں یا اس کو اپنے خلاف سمجھ رہے ہیں، ظاہر ہے یہ ہماری بہت بڑی غلطی ہے، یہ نہایت تعجب کی بات ہے کہ ہم ایک شخص سے پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں یا ان لوگوں سے پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں جو ہمارے اردگرد ہیں اور ہمارے تہذیب وتمدن میں لگے ہوئے ہیں اور اگر ان کے ساتھ ہمدردی کا مسئلہ آجائے تو ہم ان کے ساتھ ہمدردی نہ کریں، کیا اس لیے کہ وہ ہمارے غیر ہیں؟ اگر وہ غیر ہیں تو آپ کی عقلی سطح کے لحاظ سے یہ ہونا چاہیے کہ آپ ان سے کوئی تعلق ہی نہ رکھئے، ان کی کوئی چیز بھی استعمال نہ کیجیے اور ان سے کوئی مدد بھی نہ لیجیے۔

دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی ذہنیت کو ختم کیا جائے اور اس حقیقت کو عام کیا جائے کہ ہمارا پورا نظام آپس میں تعاون اور ہمدردی سے چل رہا ہے، اگر ایسا نہ ہو تو ہماری زندگی اجیرن ہو جائے گی، مثلاً: آپ کسی ایسی کپڑے کی دوکان پر کپڑا لینے گئے کہ آپ کی

مرضی کا کپڑا وہیں ملتا ہے اور اس دوکاندار نے آپ کو غیر سمجھا اور آپ کو کپڑا نہیں دیا تو آپ کیا کریں گے؟ ظاہر ہے آپ کے لیے ایسی صورت میں دشواری ہوجائے گی، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابھی جب وہ آپ کو خوشی خوشی کپڑا دے رہا ہے تو گرچہ وہ اپنے پیسے کمانے کے لیے دے رہا ہے، مگر اس کے ساتھ وہ اخلاق سے بھی پیش آرہا ہے، تب آپ کو بآسانی کپڑا مل رہا ہے اور اگر وہ آپ کا مخالف ہوتا تو وہ صاف کہہ دیتا کہ ہم آپ کو کپڑا نہیں دیں گے، آپ یہاں سے جایئے، تب آپ کہاں سے لے سکتے تھے؟ جب کہ یہ معلوم ہے کہ وہ کپڑا اسی دوکان پر ملتا ہے اور وہ دینے کے لیے راضی نہیں ہے، اسی طرح آپ دنیا کی کوئی چیز بھی لے لیں، نتیجہ یہی نکلے گا کہ ہمارا سارا نظام ایک دوسرے کے تعاون اور ہمدردی سے چل رہا ہے، اگر ہم مخالفت کا مزاج اختیار کرلیں تو خود ہمارا زندہ رہنا مشکل ہوجائے۔

زندگی کا یہ ایک اہم راز ہمیں سمجھنا چاہیے کہ جب ہم ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہیں، تو ہمیں ہمدردی والا تعاون بھی کرنا چاہیے، ہماری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ دوسرے کو نقصان نہ پہنچے اور دوسرا بھی کامیاب ہو، دوسرا بھی صحیح انسان بنے اور دوسرے کے جو انسانی حقوق ہیں وہ ادا ہوں، یہ انسانی حقوق ہی ہیں کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور یہ تعاون صرف مادی نہ ہو کہ کھانے پینے کی حد تک تعاون ہو، بلکہ اخلاق اور مدد والے تعاون کی بڑی اہمیت ہے، افسوس کی بات ہے کہ اس میں ہم لوگوں کے اندر بڑی کمی آگئی ہے اور غور کیا جائے تو صرف ہم ہی میں نہیں بلکہ ساری دنیا میں آج یہی کمی نظر آرہی ہے، یوں بظاہر سب ایک دوسرے سے تعاون لے رہے ہیں، لیکن ہمدردی والا تعاون بہت کم ہورہا ہے اور لوگوں میں خودغرضی بہت بڑھ گئی ہے، اسی لیے ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ لگتا ہے ساری دنیا اس وقت خودغرضی پر چل رہی ہے، آج حال یہ ہوگیا ہے کہ ہم دوسرے سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، لیکن دوسرے کو فائدہ پہنچا نہیں رہے ہیں، جب کہ انسانیت کا تقاضا تو یہ ہے کہ اگر ہم کسی سے فائدہ اٹھاتے ہیں تو دوسرے کو فائدہ پہنچائیں بھی، یعنی تکلیف کے موقع پر ہم اس کے کام آئیں اور اگر اس کو ہمدردی کی ضرورت ہے تو اس کی ہمدردی کریں، اگر اس کی کوئی پریشانی ہے تو اس کو دور کریں، اپنی حد تک جتنی ہم میں استطاعت ہے ہم اس کا تعاون کریں، واقعہ یہ ہے کہ اگر ہمارا معاشرہ ان جذبات کا حامل ہوجائے تو بہت اچھا اور ایک مثالی معاشرہ ہوگا۔

موجودہ معاشرہ ہمدردی والا نہیں بلکہ خودغرضی والا معاشرہ ہے، جس میں ہم ایک طرف چل رہے ہیں، آپ غور کیجیے تو ہمارا پورا نظام خودغرضی پر ہی چل رہا ہے، اس دور میں اس وقت تک کوئی کسی کی مدد نہیں کرتا جب تک کہ اس کا فائدہ اس سے قائم نہ ہو، آج دنیا میں یہی نظام چل رہا ہے، ہر شخص اپنے فائدہ کو دیکھ کر ہی کسی کا کام کرتا ہے، ہر شخص سوچتا ہے کہ اگر ہمیں اس سے فائدہ ہے تو ہم اس کا کام کریں گے، ورنہ نہیں کریں گے، اگر کسی سے فائدہ وابستہ نہیں ہے تو لوگوں کی ذہنیت یہ بن چکی ہے کہ دوسرا مر رہا ہو تو مرے، ہم سے کیا مطلب، لیکن اس کے مرنے سے اگر ہم کو کوئی نقصان ہوتا ہے تو کوشش یہ ہوگی کہ وہ نہ مرے، بصورت دیگر یہ ہے کہ وہ مرے بھاڑ میں جائے، ہم سے کوئی مطلب نہیں ہے۔

غور کیا جائے تو ہماری یہ تہذیب جو جانوروں کی تہذیب ہے، جانور یہی کرتے ہیں کہ اگر ایک جانور کھا رہا ہے اور دوسرا جانور آگیا تو وہ اس کو بھگا دے گا اور اس کو اپنے چارے میں شریک نہیں ہونے دے گا، کیونکہ اس کو دوسرے جانور سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی جانوروں کو ایک دوسرے کے تعاون کی ضرورت ہے، کوئی جانور کسی جانور کا تعاون نہیں کرتا ہے، اس لیے کہ ان کو ضرورت ہی نہیں ہے، جب ان کو کھانے کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ پتے چر لیتے ہیں اور جب پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو تالاب سے پانی پی لیتے ہیں، گویا ان کو باہمی تعاون کی ضرورت ہی نہیں ہے، البتہ ہم انسانوں کا حال اس سے مختلف ہے، ہم دوسرے کے تعاون کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے، لیکن ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم محض مادی تعاون پر چلتے ہیں اور اخلاقی وانسانی تعاون میں ہم بہت کوتاہ ہیں، آج دنیا میں جو دنگے ہیں، ان کی یہی وجہ ہے کہ ہر شخص خودغرضی میں مبتلا ہے۔

شب برأت اور ہمارا طرز عمل

مولانا خالد غازی پوری ندوی

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں سے بہت پیار کرتا ہے، اس ذات بے ہمتا نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کرلیا ہے، ورنہ کوئی شخص اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتا، لیکن اس ذات وحدہ لاشریک کے سامنے بڑے سے بڑے خطاپر بھی دل سے ندامت کے چند آنسو بہا لیے جائیں اور خلوص دل سے توبہ کرلیا جائے تو اسے معاف کردیتا ہے، بندے کی طلب اور جستجو کے بقدر اس کی عنایتوں کا سلسلہ قائم رہتا ہے، اپنی نوازش سے اس نے سال کے بعض مہینوں اور کچھ دنوں کو ایسی فضیلت دی ہے جس میں اس کی رحمت عام ہوتی ہے، عنایات وکرم کی ایسی بارش ہوتی ہے کہ معمولی عمل پر بھی اس کا فیضان بے پناہ ہوتا ہے اور بسا اوقات ایک دن کی قدر پورے سال کی سلامتی کا ذریعہ بن جاتی ہے، شاید حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے:

''جب جمعہ کا دن سلامتی سے گذر جاتا ہے، تو بقیہ دنوں میں بھی سلامتی رہتی ہے اور ماہِ رمضان کی سلامتی پر سال کی سلامتی موقوف ہے۔''

انہی مبارک دنوں میں سے شب برأت بھی ہے، برأت کے معنی بری ہونے کے ہیں، شعبان کی پندرہویں شب کو شب برأت یا "لیلۃ البراءۃ" کہا جاتا ہے، اس رات کی بڑی فضیلت آئی ہے، ہر چند کہ اکثر محدثین نے کلام کیا ہے اور درجہ صحت سے فروتر سمجھا ہے، لیکن پھر بھی 'صحاح' میں بعض حدیثیں ایسی آئی ہیں جس سے اس رات کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے تو ''ماثبت بالسنۃ'' میں ﴿فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ﴾ کی تفسیر میں حضرت عکرمہؓ سے یہ نقل کیا ہے کہ وہ رات شعبان کی پندرہویں شب ہے، جس میں سال بھر کا معاملہ طے ہوجاتا ہے، زندوں کی فہرست بن جاتی ہے، حجاج کی نشان دہی کردی جاتی ہے، پھر اس مرتب شدہ فہرست میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات میں اپنی تمام مخلوق کی طرف اپنی خاص توجہ فرماتے ہیں اور مشرک وکینہ ور کے سوا سب کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔'' (ترغیب وترہیب: ۱۰۱۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے حضور ﷺ کو نہ پاکر تلاش میں نکلی، آپ ﷺ جنت البقیع (مدینہ کا قبرستان) میں تھے، آپ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور کہا کہ آج نصف شعبان کی رات ہے، اس میں اللہ اتنے لوگوں کو جہنم سے نجات دے گا جتنے قبیلہ بکر کی بکریوں کے بال ہیں، مگر چند بدنصیب شخصوں کی طرف اس رات میں بھی نظر عنایت نہ ہوگی:

(۱) مشرک (۲) کینہ پرور (۳) قطع رحمی کرنے والا (۴) پائجامہ اور ٹخنوں کو نیچے لٹکانے والا (۵) اپنے والدین کی نافرمانی کرنے والا (۶) شراب نوشی کرنے والا۔

یہ حدیث امام بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، باختلاف الفاظ یہ روایت ترمذی، ابن ماجہ اور ابن ابی شیبہ میں بھی موجود ہے، ایک اور حدیث امام بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے یوں نقل فرمائی ہے:

''ایک رات آنحضرت ﷺ تہجد کے لیے کھڑے ہوئے، نماز شروع کی اور سجدہ میں گئے، تو اتنا طویل سجدہ کیا کہ مجھے یہ خطرہ ہوگیا کہ شاید خدانخواستہ آپ کی روح قبض ہوگئی، یہاں تک کہ میں پریشان ہوکر اٹھی اور پاس جاکر انگوٹھے کو حرکت دی، تو آپ نے کچھ حرکت فرمائی جس سے مجھے کچھ اطمینان ہوا اور اپنی جگہ لوٹ آئی، آپ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا:

''تم جانتی ہو کہ یہ کون سی رات ہے؟''

میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ہی خوب جانتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

''یہ نصف شعبان کی رات ہے، اللہ تعالیٰ اس رات کو خاص

طور سے دنیا والوں کی طرف توجہ فرماتے ہیں اور مغفرت مانگنے والوں کی مغفرت اور رحم کی دعا کرنے والوں پر رحم فرماتے ہیں، مگر آپس میں کینہ رکھنے والوں کو ان ہی کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔''

(ترغیب وترہیب)

ابن ماجہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جب نصف شعبان کی رات آئے تو رات کو جاگو اور نماز پڑھو اور دن کو روزہ رکھو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس رات کو غروب آفتاب سے ہی نیچے آسمان پر تجلی فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ ''کوئی استغفار کرنے والا ہے کہ ہم اس کی مغفرت کرتے ہیں، کوئی رزق مانگنے والا ہے کہ ہم اس کو رزق دیں'' یہ صدائے عام اسی طرح صبح تک جاری رہتی ہے، یہاں تک کہ صبح صادق ہوجائے۔''

یہ حدیثیں ذرا غور سے پڑھئے اور دیکھئے کہ وہ مالک وحدہ لا شریک اپنے بندوں کی دستگیری کے لیے کس قدر بیتاب ہے، ہے کوئی دست گیری چاہنے والا؟! آج حالات کی ستم ظریفی کا رونا رویا جارہا ہے، لیکن کیا ایسے مہتم بالشان مواقع جس میں اللہ کی نصرت کے فیصلے ہوا کرتے ہیں، اپنی غفلت کے نتیجہ میں ہم ضائع نہیں کردیتے؟!

شب برأت ہم منانے کا اہتمام ضرور کرتے ہیں لیکن کس طرح ـــــ زرق برق لباسوں، دعوتوں، گلی کوچوں، مساجد اور گھروں پر برقی قمقموں کو لگانے اور روشنی کا خاص اہتمام کرکے پٹاخوں کے شور شرابہ اور بارود کی گھن گرج اور بدبو سے اس رات کی برکتوں کو دور بھگا دیتے ہیں، عورتیں قسم در قسم کے حلوے تیار کرنے میں دن بھر مصروف رہ کر رات سو کر گذار دیتی ہیں، مصروفیات کی وجہ سے دن میں روزہ کا اہتمام بھی نہیں ہوتا، حلوہ پکانے کا ایسا التزام ہوتا ہے کہ گویا اس کے بغیر اسلام کی تکمیل ادھوری رہ جائے گی۔

پندرہویں شب کو عورتیں ''عرفہ'' کہتی ہیں اور یہ خیال کرتی ہیں کہ مردوں کی روحیں آج آپس میں ملتی ہیں اور اس سال جس کی وفات ہوتی ہے وہ خاص طور پر آج کی رات مردوں کی برادری میں شامل ہوجائے گا، لہٰذا اس کے نام سے حلوہ کا فاتحہ دلاتی ہیں۔ یہ نری جہالت ہے، بعض جگہوں پر نئے برتنوں کا اہتمام کیا جاتا ہے، جس طرح ہندو دیوالی کے موقع پر کرتے ہیں، یہ سب باتیں وہ ہیں جن سے ہر مسلمان کو بچنا چاہیے، حضور ﷺ کے معمول گرامی کی روشنی میں اگر کوئی بات ہوسکتی ہے تو صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس رات میں حسب ذیل امور مسنون ہیں:

۱- رات میں جاگ کر نماز پڑھنا اور ذکر وتلاوت میں مشغول رہنا، قبرستان جانا۔

۲- اس رات کی صبح یعنی پندرہویں تاریخ کو روزہ رکھنا۔

اس مبارک رات میں دعاؤں کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے، ابتہال وتضرع کے ساتھ رو رو کر دعائیں کریں، اگر پوری رات جاگنا مشکل ہو تو شروع رات میں نماز وتلاوت کا اہتمام کریں، صلاۃ التسبیح کا اگر اہتمام کریں تو بہتر ہے اور اگر یہ خیال کریں کہ یہ راتیں ہمیشہ میسر نہیں آنے والی ہیں، لہٰذا قدر کی نگاہ سے دیکھیں اور عمل کے جذبہ سے سرشار ہوکر اللہ تعالیٰ کے حضور میں کھڑے ہوجائیں۔

انسانیت کی سب سے بڑی خدمت

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

''آج انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ ان جابر وظالم نظاموں کے خود ساختہ اصنام کو منہدم ومسمار کیا جائے جو انسانیت کی تباہی وبربادی، ہلاکت وخوں ریزی، فتنہ وفسادات کے سوا کچھ نہیں دیتے اور یہ نظام شمشیر وسناں کی نوک سے نہیں مٹے گا اور نہ ہی اسے میدان جنگ میں شکست دی جاسکتی ہے، اس کی شہ رگ صرف آبدار اور حریت پسند، تنقید نگار قلم اور مضبوط وپائیدار فکر سے ہی کاٹی جاسکتی ہے، جو ان کے مکر وفریب اور کھوکھلے پن کو پوری طرح دنیا کے سامنے واشگاف کردے۔'' (نیا عالمی نظام اور ہم: ۷۸)

اخلاص اور ریا کاری

مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی

آج میں آپ کو ایک ایسا واقعہ سنانا چاہتا ہوں جس سے آپ کو اندازہ ہوگا اخلاص کی طاقت اور قوت کا اور ریا کاری کے نتیجہ میں عمل کے ضائع ہونے اور کوشش کے ناکام ہونے کا، یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ عمل خواہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو، اگر وہ خدا کے علاوہ کسی اور کو خوش کرنے کے لیے کیا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں، اللہ تعالیٰ نہ اس کو قبول فرمائے گا، نہ اس کی طرف دیکھے گا اور نہ اس کی میزان میں اس کا کوئی وزن ہوگا، پیسہ خواہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو، اگر آدمی اسے شہرت اور تعریف حاصل کرنے کے لیے خرچ کرے تو اخروی اعتبار سے وہ بے سود ہے، اس کی کوئی قیمت نہیں اور نہ ہی اس سے آخرت میں کوئی فائدہ حاصل ہوگا، بلکہ وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا، حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"إن اللّٰه تعالى لا يقبل من العمل إلا ما كان له خالصا وابتغى به وجهه." (صحيح الجامع)

(اللہ تعالیٰ اس وقت تک عمل قبول نہیں کرتا جب تک وہ صرف اسی کے لیے نہ ہو اور صرف اسی کی رضا نہ چاہی جائے)

اخلاص دین کی بنیاد ہے، جسے آج ہم کھو چکے ہیں، ہم کام اس لیے کرتے ہیں تاکہ ہمارا تذکرہ ہو اور ہماری تعریف کی جائے، سوائے ان چند خوش قسمت لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے خلوص نیت سے اور اجر کی امید میں کام کرنے کی توفیق دی ہے۔

حضرت تمیم داری ایک عظیم صحابی ہیں، ایک شخص ان کے پاس آیا اور ان سے ان کی رات کی نماز کے بارے میں پوچھا، انہوں نے غصہ سے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا: ''لوگوں کی نظروں سے بچ کر ایک رکعت نماز پڑھنا یہ مجھے زیادہ محبوب ہے، اس سے کہ میں پوری رات نماز پڑھوں اور صبح لوگوں کو بتاؤں۔''

حضرت علی بن حسین جن کو زین العابدین اور امام الساجدین کے نام سے جانا جاتا ہے، ان کی عادت تھی کہ جب رات ہو جاتی اور سناٹا ہو جاتا، لوگ گھروں میں آرام کرنے چلے جاتے، راستہ بالکل سنسان ہو جاتا تو وہ باہر نکلتے، ان کی پیٹھ پر روٹی کا ایک تھیلا ہوتا اور اسے خاموشی سے رات کی تاریکی میں غریبوں میں تقسیم کر دیتے کہ انہیں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا وہ فرماتے:

''خاموشی سے صدقہ کرنا اللہ کے غضب کو دور کر دیتا ہے۔''

جہاں تک ہمارا تعلق ہے، ہم صدقہ دیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو کچھ دیا ہے وہ اخبارات میں لکھا جائے، اس کی خبریں اخبارات اور رسائل میں شائع کی جائیں اور ہر جگہ اس کی تشہیر کی جائے جب کہ ہم یہ قول بھول جاتے ہیں:

"الناس كلهم هلكى إلا العالمون والعالمون هلكى إلا المخلصون والمخلصون على خطر عظيم" (لوگ ہلاکت میں ہیں سوائے علماء کے اور علماء ہلاکت میں ہیں سوائے ان کے جو عمل کرتے ہیں اور عمل کرنے والے ہلاکت میں ہیں، سوائے اخلاص رکھنے والوں کے اور اخلاص رکھنے والے بھی بڑے خطرے میں ہیں) کیونکہ شیطان کا حملہ صرف انہی پر ہوتا ہے۔

ہم صدقہ دیتے ہیں لیکن خدا کے نزدیک سب سے بہتر اور سب سے وزنی صدقہ کیا ہے، ہم نہیں جانتے، اس لیے خطرہ ہے کہ ہم اس سایہ سے محروم نہ کر دیے جائیں جو صدقہ کرنے والوں کو اس دن حاصل ہوگا جس دن اللہ کے عرش کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ورجل تصدق بصدقة فأخفاها حتى لا تعلم شماله ما تنفق يمينه." (صحيح)

(اور وہ شخص جو صدقہ دے اور اس کو اس طرح پوشیدہ رکھے کہ اس کا دایاں ہاتھ دے تو بائیں ہاتھ کو خبر تک نہ ہو)

امیر المومنین فی الحدیث سفیان ثوریؒ کہتے ہیں:

’’ایک مجلس میں مجھ پر رقت طاری ہوئی، میں رو پڑا اور مجھے خیال آیا کہ کاش میرے ساتھی بھی ہوتے تو وہ بھی میرے ساتھ شریک ہوتے، فرماتے ہیں کہ میں نے اسی رات خواب دیکھا کہ ایک شخص نے غصہ میں مجھ سے کہا: اپنی اجرت ان سے لے لو جن کو تم اپنا رونا دکھانا چاہتے تھے۔‘‘

ایک بادشاہ نے مسجد بنانے کا حکم دیا اور اس نے یہ بھی حکم جاری کیا کہ مسجد کی تعمیر میں کسی سے ایک پیسہ بھی نہ لیا جائے، اس نے یہ چاہا کہ مسجد کی تعمیر پر اس کا نام لکھا جائے اور اس کی تعریف کی جائے، اس نے حکم دیا کہ اس کے نام کی تختی مسجد کے مرکزی دروازہ پر لگا دی جائے تا کہ سب کو معلوم ہو کہ یہ مسجد تنہا اس کے خرچ پر بنائی گئی ہے، ایک رات اس نے خواب دیکھا کہ ایک فرشتہ آسمان سے اترا اور اس نے تختی سے اس کا نام مٹا دیا اور اس کی جگہ ایک عورت کا نام لکھ دیا، بادشاہ نے فوراً آدمی کو بھیجا کہ تحقیق کر کے آئے، اس نے آ کر دیکھا تو تختی پر بادشاہ کا نام لکھا ہوا تھا تو اس نے واپس آ کر بادشاہ کو اس کی اطلاع دے دی۔

بادشاہ نے کہا: یہ بیکار کے خواب ہیں، اگلی رات اس نے پھر یہی خواب دیکھا کہ ایک فرشتہ آسمان سے اترتا ہے، اس کا نام مٹاتا ہے اور اس کی جگہ اس عورت کا نام لکھ دیتا ہے، جب صبح ہوئی تو اس نے حکم دیا کہ اس عورت کو تلاش کیا جائے جس کا نام اس تختی پر لکھا گیا ہے، چنانچہ اس نے ملک کے کونے کونے میں اپنے آدمی دوڑائے یہاں تک کہ وہ عورت ایک جھونپڑی میں مل گئی، وہ ایک غریب عورت تھی، اس کو لایا گیا، بادشاہ نے اس سے کہا: تمہارا کیا معاملہ ہے اور مسجد کے ساتھ تمہارا کیا قصہ ہے؟ کیونکہ میں نے منع کیا تھا کہ میرے علاوہ ایک بھی درہم کوئی نہ دے، اس غریب عورت نے کہا: خدا کی قسم میرے پاس ایک درھم بھی نہیں کہ اپنے بچوں کو کھلا سکوں تو میں اس مسجد کو کیسے عطیہ کروں گی؟ بادشاہ نے کہا: میرا نام مٹا کر تمہارا نام کیوں لکھا گیا؟ تم نے اس مسجد کو کیا دیا؟ اس نے کہا: میں ایک دن مسجد کے پاس سے گزری جبکہ مسجد زیر تعمیر تھی تو میں نے حسرت سے اسے دیکھا اور خواہش کا اظہار کیا کہ کاش میرے پاس بھی مسجد بنانے کے لیے رقم ہوتی تو میں اس کے لیے خرچ کرتی، جب میں یہ سوچ ہی رہی تھی کہ میری نظر ایک بندھے ہوئے خچر پر پڑی جو مسجد بنانے کے لیے اپنی پیٹھ پر اینٹیں لے کر آتا تھا، پانی اس سے دور تھا اور رسی سے بندھے ہونے کی وجہ سے پانی تک پہنچنا مشکل ہو رہا تھا، چنانچہ میں نے آ کر برتن کو اپنے ہاتھ سے خچر کی طرف کر دیا اور اس نے پانی پی لیا، میں نے صرف یہی ایک کام کیا بس اس کے علاوہ میں نے کچھ نہیں کیا اور نہ ہی ایک درھم خرچ کیا۔

بادشاہ نے کہا کہ تم نے یہ صرف اللہ کے لیے کیا اور اللہ نے اس کو قبول کیا، جب کہ میں نے صرف اس لیے کیا کہ میرا چرچا ہو، تعریف ہو، تو اللہ نے میرا عمل قبول نہ کیا پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کا نام مٹا دیا جائے اور اس تختی پر اس عورت کا نام درج کر دیا جائے۔

(ترجمانی: محمد امین حسنی ندوی)

توحید کی کرشمہ سازیاں

سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ

’’توحید اسلام کی وہ روح ہے جس نے دین کے علاوہ سیاست کا کام بھی انجام دیا اور کم از کم بارہ سو برس تک اس نے ہر میدان میں اسلام کے علم کو بلند رکھا، اسلام کا ہر سپاہی تن تنہا تلوار ہاتھ میں لے کر نکلتا تھا اور چند روز میں نو مسلموں کی ایک جماعت اپنے ساتھ لے کر دنیا کے کسی نہ کسی گوشہ میں اپنی سلطنت کھڑی کر لیتا تھا، افریقہ میں بحری جزیروں میں اور مختلف ملکوں کے دور دراز گوشوں میں اس طرز سیاست نے بڑی بڑی ریاستیں اور حکومتیں کھڑی کر دیں، اسی طرح غلاموں کو اسلام کی آزادی سے مالا مال کر کے ان کو شمشیر زنی، کشور کشائی اور تخت نشینی کا اہل بنا دیا، مصر میں غلاموں کی سلطنت صدیوں تک اسی طرح چلتی رہی ہے، اسپین اور مراکش کے فاتح یہی بربری نو مسلم ہیں جنہوں نے بارہا شمالی افریقہ میں حکومتیں کیں۔‘‘ (مسلمانوں کی آئندہ تعلیم: ۱۷)

تقویٰ کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

تقویٰ کے مراتب ودرجات:

تقویٰ کے مختلف مراتب ودرجات ہیں، اس کا پہلا مرحلہ شرک سے بچنا ہے، جب تک آدمی شرک سے نہیں بچتا یا شرک کے مظاہر اختیار کرتا ہے تو تقویٰ کے مراحل طے نہیں ہوتے اور اس کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اگر کوئی مشرک شخص گناہوں اور ہر طرح کے غلط کاموں سے بچتا ہے اور بہت اچھے اچھے کام کرتا ہے، تب بھی اس کی یہ تمام چیزیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں بالکل بے حقیقت ہیں، اس لیے کہ بنیاد ندارد ہے اور جب بنیاد ہی نہیں ہے تو اس کے اوپر کوئی چیز تعمیر نہیں کی جاسکتی، اس کی مثال ریت کی ہے اور ریت پر خواہ کتنی ہی اونچی عمارت بنادی جائے' اس کو استحکام نہیں ہوسکتا اور نہ ہی ریت پر عمارت بنانا آسان کام ہے۔ اس لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تقویٰ کے جو مراتب ہیں' ان میں اس کی بنیادی شکل کو سب سے پہلے اختیار کرنا ضروری ہے اور وہ ہے شرک اور اعمال شرک سے بچنا۔ تقویٰ کا دوسرا مرحلہ معصیت اور بڑے بڑے گناہوں سے بچنا ہے اور تقویٰ کا تیسرا مرحلہ مکروہات سے بچنا ہے۔

ہم لوگوں کا ایک عجیب وغریب مزاج یہ بنا ہے کہ ہمیں بعض مرتبہ نوافل میں لطف آتا ہے، لیکن فرائض کی طرف طبیعت مائل نہیں ہوتی، بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا کہ ان سے مسجد میں آکر جماعت سے نماز نہیں پڑھی جاتی، جب کہ اپنے گھروں میں وہی لوگ تہجد گذار ہوتے ہیں اور بڑے بڑے وظائف کے پابند ہوتے ہیں، یاد رہے کہ یہ غیر شرعی مزاج ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں جو احکام دیئے ان میں سب سے پہلے قرب بالفرائض کی بات فرمائی ہے۔ اس لیے کہ جب آدمی بنیادوں کو مضبوط کرلیتا ہے تو اس کے بعد ہزاروں منزلہ عمارت تعمیر کرسکتا ہے، لیکن اگر بنیادیں ہی مضبوط نہ ہوں تو آگے کسی چیز کی کوئی گارنٹی نہیں لی جاسکتی۔

تقویٰ کا پہلا مرحلہ:

تقویٰ کے مراحل میں سب سے پہلا مرحلہ شرک اور اعمال شرک سے بچنا ہے جو سب سے زیادہ بنیادی چیز ہے۔ عقیدۂ توحید کا مسئلہ سب سے اہم ہے اور پورا قرآن مجید اس سے بھرا ہوا ہے، جگہ جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بات صاف کردی ہے کہ جو اللہ کے پیغمبر ہیں وہ سب اللہ کے بندے ہیں اور اللہ کے نبی ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں، جو سب سے محبوب وافضل نبی ہیں، مگر ان کے بارے میں بھی فرمایا کہ وہ اللہ کے بندے ہیں۔

آج ہمارے مسلمانوں اور ایمان والوں میں ایسی کتنی چیزیں پیدا ہورہی ہیں جن کے تانے بانے شرک سے ملتے ہیں مگر ہم ان پر غور نہیں کرتے۔ کسی کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا، کسی کو متصرف سمجھنا اور کسی کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ جو اللہ کی صفات ہیں وہ گویا اس کو حاصل ہوگئی ہیں، یہ ساری چیزیں شرک سے تعلق رکھتی ہیں۔ بعض مرتبہ بہت سے دیندار لوگوں میں بھی یہ مرض ہوتا ہے اور آدمی زبان سے بڑی آسانی کے ساتھ بول دیتا ہے کہ حضرت کے تصرف سے فلاں کام بہت سہولت سے ہوگیا۔ یاد رہے اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ حضرت نے جو چاہا وہ کرڈالا اور نعوذ باللہ وہ "فعال لما یرید" ہوگئے تو یہ تو شرک کی بات ہے۔ "فعال لما یرید" کی صفت اللہ کی ہے، وہ جو چاہے کرڈالے، اگر کوئی کسی بزرگ کو ایسا سمجھتا ہے تو یہ شرک کی بات ہے اور اعمال شرک میں داخل ہے، کوئی کچھ بھی نہیں کرسکتا جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم نہ ہو۔ اسی لیے اگر تقویٰ کا مزاج بنانا مقصود ہے تو پہلے اپنے توحید کے عقیدہ کو مضبوط کرنا چاہیے اور شرک کے ہر طرح کے شائبوں سے اور شرک کے معمولی سے معمولی شمہ سے بھی نفرت ہونی چاہیے۔

تقویٰ کا دوسرا مرحلہ:

تقویٰ کا دوسرا مرحلہ بڑے بڑے گناہوں سے بچنا ہے، لیکن آدمی کا مزاج یہ ہے کہ وہ عام طور پر بڑے گناہوں سے نہیں بچتا اور

معمولی چیزوں کے بارے میں سوچتا ہے۔ مشہور ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے کوفیوں نے آکر پوچھا کہ اگر مچھر کا خون لگ جائے تو نماز ہوجائے گی کہ نہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کے بندو! حضرت حسینؓ کو قتل کرکے آئے ہو اور ان کا خون تمہارے منہ پر لگا ہوا ہے اور آکر پوچھتے ہو کہ اگر مچھر کا خون لگ جائے تو نماز ہوگی کہ نہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو بعض مرتبہ آخری درجہ کی ہوتی ہیں لیکن ان پر توجہ نہیں ہوتی، جب کہ بہت چھوٹی چھوٹی باتوں پر آدمی غور کرتا ہے، اسی لیے ہماری ترتیب صحیح ہونی چاہیے، ہمیں بنیاد سے اوپر جانا ہے، اوپر سے نیچے نہیں آنا ہے، اگر اوپر سے نیچے آئیں گے تو سب ختم ہوجائے گا اور زمین پر آجائے گا، ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہوجائے گا اور ہماری کوئی چیز سلامت نہیں رہے گی، اسی لیے ہمیں سب سے پہلے اپنی بنیادیں مضبوط کرنی ہیں اور بنیادیں مضبوط کرنے کا سب سے پہلا مرحلہ عقیدۂ توحید کی مضبوطی ہے اور دوسرا مرحلہ بڑے بڑے گناہوں سے بچنا ہے۔

تقویٰ کا تیسرا مرحلہ:

تقویٰ کا تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ آدمی صغائر ومشتبہات سے بھی بچے، یعنی جن چیزوں میں اس کو شبہ ہوتا ہو ان سے بچے، حدیث میں آتا ہے کہ حضرت حسنؓ سے آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو چیز تمہیں شک میں ڈالتی ہے، اس کو چھوڑ کر وہ چیز اختیار کرو جس میں تمہیں کوئی شک نہیں، بلاشبہ سچائی طمانینہ ہے اور جھوٹ شک وشبہ ہے۔''

(ترمذی: ۲۷۰۸)

سچائی سے انسان کو دل کا اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے، جب آدمی سچ بولتا ہے تو اسے اندر سے سکون واطمینان والی کیفیت حاصل ہوتی ہے، جو جھوٹ سے حاصل نہیں ہوسکتی اور جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو تردد وپس وپیش میں رہتا ہے اور شک وشبہ کا شکار رہتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آدمی جب تقویٰ کا مزاج بناتا ہے تو پھر اس کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ یہ کیفیت پیدا فرمادیتا ہے۔ اسی لیے تقویٰ کے ان مراحل کا خیال رکھنا ضروری ہے: یعنی شرک اور مراسم شرک سے بچنا، بڑے بڑے گناہوں سے بچنا پھر صغائر سے بچنا۔

تقویٰ کا مثبت پہلو:

تقویٰ میں صرف اس کا منفی پہلو ہی نہیں ہے کہ یہ یہ چیزیں نہیں کرنی ہیں، بلکہ یہ ایسی صفات ہیں کہ ان کا جو مثبت پہلو ہے وہ بھی مطلوب ہے، مثلاً یہ بھی تقویٰ کی بات ہے کہ آدمی تہجد اور نوافل پڑھے، یا ذکر واذکار کا اہتمام کرے، لیکن تقویٰ کے حصول کی جو ترتیب ہے اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ یہ بات درست نہیں ہے کہ آدمی واجبات ونوافل کا اہتمام کرے، لیکن فرائض میں غفلت برتے اور فرض نماز بھی جماعت سے نہ پڑھے، ظاہر ہے تارک جماعت کے بارے میں حدیثوں میں بڑے سخت الفاظ آئے ہیں۔ اسی لیے فرائض کے بعد نوافل کا مرحلہ ہے، جب آدمی اس ترتیب کے ساتھ چلے گا تو وہ ان بلندیوں تک پہنچ جائے گا جو گویا تقویٰ کی آخری چوٹیاں ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ اگر انسان کو تقویٰ کی بلندی حاصل ہوجائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے دل کی کیفیت کو نہ جانے کہاں سے کہاں تک پہنچا دیتے ہیں اور بندہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ سے غیر معمولی تعلق پیدا ہوجاتا ہے۔

دل کا تقویٰ:

تقویٰ' دل کی کیفیت اور بہت سی چیزوں کے کرنے اور بہت سی چیزوں کے نہ کرنے کا نام ہے، قرآن مجید کے اندر ارشاد ہے:

﴿لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ﴾ (الحج: ۳۷) (اللہ کو ان کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتا، ہاں اس کو تو تمہارے (دل) کا تقویٰ پہنچتا ہے)

اس آیت سے پتہ چلا کہ تقویٰ صرف چند چیزوں سے بچنے کا نام نہیں ہے، بلکہ تقویٰ اعمال کے ساتھ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جو مطلوب ہے، یعنی جو عمل کیا جائے' اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے اور پورے استحضار کے ساتھ کیا جائے، اللہ کا جتنا زیادہ دھیان پیدا ہوگا اور اسی کی محبت میں آدمی جتنا زیادہ کام کرے گا، اس کے نتیجہ میں آدمی کے عمل کے اندر طاقت اور جان پیدا ہوگی۔

نکاح کے چند مسائل

مفتی راشد حسین ندوی

نکاح میں وکیل بنانا:

جو کام کرنا انسان کے لیے جائز ہو اس میں یہ بھی جائز ہوتا ہے کہ کسی کو وکیل بنادے اور وہ اس کی طرف سے اس کام کو انجام دے، جس نے کام کا ذمہ دار بنایا اس کو موکل کہا جاتا ہے اور جس کو ذمہ دار بنایا گیا اس کو وکیل کہا جاتا ہے، ہمارے عرف میں وکیل صرف عدالتی اور قانونی امور میں ایک خاص ڈگری رکھنے والے کو جس کو اپنا نمائندہ بنایا ہو کہتے ہیں، لیکن فقہ میں ہر وہ شخص وکیل ہے جس کو بیچنے خریدنے یا شادی وغیرہ کرنے کا ذمہ دار بنایا گیا ہو اور جس نے نمائندہ بنایا ہے وہ موکل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو قربانی کا جانور خریدنے کا وکیل بنایا۔

(ترمذی: ۱۲۵۷، أبوداؤد: ۳۳۸۶)

اسی طرح آپ ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح دو وکیلوں یعنی حضرت ابورافع اور ایک انصاری صحابی کو وکیل بنا کر کیا تھا۔ (مؤطا، کتاب الحج، نکاح المحرم: ۹۹۶)

وکیل بنانے کے لیے شہادت شرط نہیں ہے:

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ جس طرح دولہے یا دلہن کا مجلس نکاح میں اگر دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب قبول کرنے سے نکاح صحیح ہوجاتا ہے، اسی طرح اگر دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں کا وکیل بھی گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرے تو نکاح ہوجائے گا، ہمارے دیار میں لڑکی کو محفل نکاح میں نہیں لایا جاتا، کوئی جاکر اس سے نکاح کی اجازت لیتا ہے، درحقیقت وہی اس کا وکیل ہوتا ہے، احتیاط اس میں ہے کہ اس توکیل کے وقت بھی گواہ موجود رہیں، تاکہ اگر توکیل کا انکار کیا جائے تو وہ گواہی دے سکیں، لیکن اس وقت گواہوں کا ہونا شرط نہیں اور اگر گواہ بنائے گئے تو یہ شرط نہیں ہے کہ یہی عقد نکاح کے بھی گواہ ہوں، یہ ہوسکتا ہے کہ توکیل اور اجازت کے گواہ دوسرے ہوں اور عقد نکاح کے دوسرے ہوں۔

(ہندیہ: ۱/۲۹۴، فتح القدیر: ۳/۳۰۱)

(تحت قوله: ومن أمر رجلا أن يزوجه امرأة.. الخ)

جب قاضی اور وکیل الگ الگ ہوں:

بہت سی جگہوں میں لڑکی سے اجازت لینے خود قاضی جاتا ہے، اس صورت میں تو دیکھا جائے تو وہی نکاح کا وکیل بھی بن جاتا ہے، اگرچہ نکاح نامہ میں وکالت میں دوسرے شخص کا نام لکھا ہوتا ہے، ہم نے پیچھے بیان کیا ہے کہ عورتوں کے مجمع میں اس طرح سے جانے کا کوئی تک نہیں ہے، لڑکی کے اولیاء میں سے کسی کو ایسے وقت لڑکی سے اجازت لے لینا چاہیے جب گھر میں اجنبی عورتیں نہ ہوں، اب جہاں اس طرح اجازت لی جاتی ہے وہاں بھی عام طور سے نکاح کوئی اور پڑھاتا ہے، وکیل یا ولی نکاح نہیں پڑھاتا، تو ایک بات یاد رکھنا چاہیے کہ وکیل دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا، البتہ اگر مجلس میں ولی اور وکیل موجود ہو اور قاضی اس کی موجودگی میں نکاح پڑھائے تو جائز ہے اور اگر وکیل موجود نہ ہو تو یہ نکاح فی الحال موقوف ہوگا، پھر جب لڑکی بخوشی رخصت ہوجائے تو منعقد ہوجائے گا، اس لیے کہ یہ نکاح فضولی ہے اور آگے آرہا ہے کہ فضولی کا پڑھایا ہوا عقد اصل کی رضامندی حاصل ہوجانے کے بعد منعقد ہوجاتا ہے، اس سے پہلے موقوف رہتا ہے۔

(ہندیہ: ۱/۳۶۴-۳۶۵)

باہر رہنے والے کا وکیل بنانا:

آج کل یہ صورت کثرت سے پیش آتی ہے کہ لڑکا کسی باہری ملک میں ملازم ہے، اس کی شادی کی تاریخیں رکھ دی گئیں، یہاں تک کہ کارڈ بھی تقسیم ہوگئے، لڑکے کو پوری امید تھی کہ وہ وقت مقررہ پر آجائے گا، لیکن پھر وہ کسی قانونی رکاوٹ کی وجہ سے نہیں آپاتا، اب اس کے گھر والے چاہتے ہیں کہ اس کا نکاح معینہ تاریخ ہی پر کردیا جائے، تو وہ سوال کرتے ہیں کہ کیا فون پر اس سے ایجاب وقبول کرایا جاسکتا ہے؟ پیچھے ہم لکھ چکے ہیں کہ غیر موجودگی میں فون وغیرہ کے ذریعہ ایجاب وقبول کرانا صحیح نہیں ہے، البتہ اگر لڑکا ان فون کے ذریعہ

کسی کو اپنا وکیل بنادے، پھر مجلس میں لڑکی کا وکیل، ولی یا قاضی کہے کہ ''میں نے فلانہ بنت فلاں کو تمہارے موکل فلاں بن فلاں کے نکاح میں دیا'' اور لڑکے کا وکیل کہے کہ ''میں نے اس کی طرف سے قبول کیا'' تو نکاح ہوجائے گا۔

(بدائع الصنائع:۲/ ۴۸۸-۴۸۸، فقہ اکیڈمی کے فیصلے:۹۵)

وکالت کے متفرق مسائل

عورت کو وکیل بنانا:

(۱) جس طرح مرد کو وکیل بنانا جائز ہے، اسی طرح کسی عورت کو بھی وکیل بنانا جائز ہے۔ (ہندیہ:۱/ ۲۹۵)

کسی شخص کا دونوں کی طرف سے وکیل بننا:

(۲) شرعاً یہ بھی جائز ہے کہ ایک شخص لڑکے اور لڑکی دونوں کی طرف سے وکیل بنادیا جائے مثلاً: ایک شخص کو کسی نے وکیل نکاح بنایا اور اسی نے لڑکی سے اجازت بھی لی اور پھر اس نے شہادت شرعیہ کی موجودگی میں کہا کہ ''میں نے فلاں بن فلاں کا نکاح فلانہ بنت فلاں سے کرایا'' تو نکاح منعقد ہوجائے گا۔ (ہدایہ مع الفتح:۳/ ۱۰۵)

وکالت کے لیے گواہی شرط نہیں:

(۳) یہ ضروری نہیں کہ ایک شخص کو جس وقت وکیل بنایا جارہا ہو، گواہ بھی موجود ہوں، البتہ مناسب یہی ہے کہ گواہ بنالیے جائیں تاکہ اگر بعد میں موکل وکیل بنانے کا انکار کرے تو وہ گواہی دے سکیں۔

(ہندیہ:۱/ ۲۹۴)

فضولی کس کو کہتے ہیں:

اگر کوئی شخص اپنا نکاح خود کرے تو اس کو ''اصیل'' کہا جاتا ہے اور اگر باپ دادا یا کوئی دوسرا ولی نابالغ کا نکاح کرائیں تو یہ شرعاً درست ہے اور اصیل ہی کی طرح اس کو بھی نکاح کرانے کا اختیار ہوتا ہے اور اگر کسی کو نکاح کرانے کا وکیل بنادیا جائے تو جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا اس کو بھی نکاح کرانے کا اختیار رہتا ہے، بشرطیکہ موکل اس کو معزول نہ کردے، اب اگر کوئی اجنبی شخص ان اختیارات میں سے کسی کے بغیر کسی مرد یا عورت کا نکاح کرادے تو یہ شخص فضولی کہلاتا ہے۔

(البحر الرائق:۳/ ۱۳۷)

فضولی کے نکاح کا حکم:

ایک ہی شخص زوجین کا وکیل بن سکتا ہے، لیکن ایک ہی شخص زوجین کی طرف سے فضولی نہیں بن سکتا، چنانچہ اگر ایک شخص جو نہ ولی ہو نہ وکیل، کہے: ''میں نے فلاں کا نکاح فلاں عورت سے کرایا'' اور اطلاع ملنے پر دونوں قبول کرلیں، تب بھی یہ نکاح صحیح نہیں ہوگا، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنا نکاح کسی عورت سے کرے اور عورت مجلس میں موجود نہ ہو، بعد میں جب اس کو اطلاع ملے تو وہ قبول کرلے تب بھی نکاح منعقد نہیں ہوگا، اس لیے کہ یہ جائز نہیں کہ ایک ہی شخص اپنی طرف سے اصیل اور دوسرے کی طرف سے فضولی ہو، ہاں ایک شخص کہے کہ ''میں نے فلاں بن فلاں کا نکاح فلانہ سے کرایا'' اور دوسرا شخص کہے کہ ''میں نے قبول کیا'' دونوں ہی فضولی تھے، بعد میں جب مرد اور عورت کو اطلاع ملی تو انہوں نے قبول کرلیا، یا لڑکے یا لڑکی میں سے کسی نے کہا کہ ''میں نے فلاں عورت یا فلاں مرد سے نکاح کیا'' اور ایک فضولی بولا کہ ''میں نے اس کی طرف سے قبول کیا'' پھر غائب کو اطلاع ملی تو اس نے قبول کرلیا تو نکاح منعقد ہوجائے گا۔

(ہندیہ:۱/ ۲۹۹)

خلاصہ یہ کہ فضولی کا کرایا ہوا نکاح اصیل یا ولی کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے، اجازت دے دیں تو منعقد ہوجائے گا ورنہ باطل ہوجائے گا۔ (ہندیہ:۱/ ۲۹۹)

اسلام کیا چاہتا ہے؟

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ

''یہ خیال غلط ہے کہ ملک و مال ہاتھ آجانے سے اسلام چمکے گا، ملک و مال تو اسلام کو زندہ در گور کررہے ہیں.... اسلام جب بھی چمکا ہے قربانیوں سے چمکا ہے، آج بھی قربانیوں سے ہی چمکے گا، اسلام کے لیے قربانیاں ہوں تو یہ دشمنوں کے گھیرے میں بھی چمکتا ہے اور جب قربانیاں نہ ہوں تو اپنی بادشاہت میں بھی مٹ جاتا ہے۔'' (سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ:۲۷۷)

حلال وطیب رزق کی اہمیت

عبدالسبحان ناخداندوی

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾(البقرة: ۱۶۸)

(اے لوگو! زمین میں جو کچھ ہے اس میں پاک حلال چیز کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو، بیشک وہ کھلا ہوا دشمن ہے)

جس طرح پیدا کرنا اللہ کا کام ہے، ٹھیک اسی طرح رزق دینا اللہ ہی کا کام ہے، کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں ہے، قرآن مجید کے اندر اس سے پہلی والی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ سب کچھ پیدا کرنے والا اللہ ہے، لہٰذا تم اسے اپنا خالق اور حاکم تسلیم کرو، اب اس آیت میں یہ بتایا جارہا ہے کہ اس نے جو چیزیں تمہارے فائدے کے لیے پیدا کی ہیں، ان سے صحیح طریقہ سے فائدہ اٹھاؤ اور شیطان کے پھندے میں آکر کبھی بھی غلط طریقہ نہ اپناؤ۔

اشیاء سے فائدہ اٹھانے کے دو ہی طریقے ہیں: ایک حلال اور دوسرا حرام، لیکن فائدہ اٹھانے سے متعلق قرآن مجید کا حکم یہ ہے کہ حلال اور طیب کھاؤ اور حلال طریقہ ہی ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھو، اس لیے کہ اللہ رب العزت کو حرام طریقہ سے فائدہ اٹھانا سخت ناپسند ہے، لیکن شیطان کا دلچسپ مشغلہ یہی ہے کہ وہ ابن آدم کو حرام کاموں کی طرف دعوت دیتا رہتا ہے۔

مذکورہ آیت میں فرمایا گیا: "كُلُوا" (کھاؤ) اس سے معلوم ہوا کہ کھانا پینا اور اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا کوئی غلط کام نہیں، بلکہ یہ اللہ کو پسند ہے، البتہ اعتدال کے دائرہ میں رہ کر یہ کام کرنا چاہیے۔

مزید کہا: "مِمَّا فِي الْأَرْضِ" 'اس میں سے جو زمین میں ہے' اس جملہ سے اللہ نے انسان کو معاش کے تعلق سے بے فکر کردیا۔

یہ جملہ (اس میں سے کھاؤ) اسی وقت کہا جاتا ہے جب رزق زیادہ ہو اور کھانے والے کم ہوں، تاریخ گواہ ہے کہ کل نسل انسانی میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ عام حالات میں انسان کو کھانے پینے کے لالے پڑ گئے ہوں، بلکہ ہمیشہ رزق زیادہ رہا ہے اور کھانے والے کم رہے ہیں، ہاں! کبھی قحط وغیرہ سے کمی واقع ہوئی ہے وہ اور بات ہے، اسی طرح بعض مرتبہ انسانوں نے اپنی خودغرضانہ شرارتوں بلکہ خباثتوں سے دوسرے انسانوں کو رزق سے محروم رکھا ہے، لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ پیداوار اپنی فطری رفتار سے ہوئی ہو اور انسان غلہ سے محروم ہوگئے ہوں، دنیا کی فی الوقت آبادی ساڑھے سات ارب کے قریب ہے، جس وقت انسانی آبادی سات لاکھ رہی ہوگی اس وقت کون یہ تصور کرسکتا تھا کہ کسی زمانہ میں آبادی اس سے دس ہزار گنا بڑھ جائے گی' بلکہ اس وقت کے لوگوں سے اگر یہ عدد بتایا جاتا تو پہلا سوال ان کی زبان پر یہی آتا کہ ایسی صورت میں تو لوگوں کا بھوکوں مرنا لازم ہے، آخر زمین سات ارب انسانوں کو کیسے رزق فراہم کرے گی؟! یہی معاملہ آج بھی ہے، انسان سے اگر یہ کہا جائے کہ آئندہ آبادی سات کھرب بھی ہوسکتی ہے تو فوراً اس کے ذہن میں یہی خیال آئے گا کہ تب تو انسان کا بھوکوں مرنا لازم ہے، جس طرح سابقہ لوگوں کا خیال (اگر ان کو آتا تو) غلط تھا، اسی طرح آج کے انسان کا خیال بھی غلط ہے، زمین جس نے بنائی ہے وہی انسانی آبادی کے لحاظ سے اسے قابل انتفاع بناتا ہے اور اسی کے ذریعہ انسان ترقی کرتا ہے اور اپنی ضروریات کی تکمیل کا سامان کرتا ہے۔

آیت میں حصول رزق کے لیے "حَلَالًا طَيِّبًا" (پاک وحلال) کی شرط لازم قرار دی گئی ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ حصول رزق کے لیے حرام طریقہ ہرگز اختیار نہ کیا جائے۔

اس سلسلہ میں دو باتیں ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہئیں، ایک عین اس رزق کا حلال ہونا ضروری ہے، اگر اسے اللہ ورسول نے حرام کیا ہو تو اس کا استعمال جائز ہی نہیں جیسے شراب پینا، خنزیر کھانا وغیرہ۔

اگر وہ چیز فی نفسہٖ حلال ہے، لیکن جن پیسوں سے وہ خریدی جارہی ہے، وہ حرام کے ہیں تو وہ چیز بھی حرام ہوجائے گی، جیسے حرام کی کمائی سے کوئی بھی چیز خریدنا وغیرہ۔

"طَیِّبُ" سے مراد وہ چیز ہے جو پاکیزہ ہو اور اطمینان قلب کے ساتھ استعمال کی جائے، لہٰذا آیت میں "حلال" کہنے سے تمام حرام چیزیں نکل گئیں اور "طیب" کہنے سے تمام مشتبہ اور مکروہ چیزیں نکل گئیں، نیز بدن اور عقل کو نقصان پہنچانے والی تمام غذائیں بھی طیب کہنے سے نکل گئیں۔ بسا اوقات چیز حلال تو ہوتی ہے لیکن طیب نہیں ہوتی جیسے پان تمباکو، سڑا ہوا کھانا، جلا ہوا سالن یا ہر وہ کھانا جس میں تغیر آ گیا ہو، اسی طرح انسانی فعل کے لحاظ سے طیب وہ ہے جسے انسان خوشی خوشی کھائے، ناگواری اور کراہت کے ساتھ کھانے والی چیزیں گرچہ حلال ہوں لیکن وہ اس کھانے والے کے حق میں طیب نہیں ہوں گی، بلکہ اس طرح کا کھانا بسا اوقات ناشکری کی طرف لے جاسکتا ہے، اس لیے ان کا نہ کھانا ہی بہتر ہے، بعض حضرات نے یوں فرق کیا ہے کہ حلال وہ ہے جو شریعت نے حلال کیا ہو اور طیب وہ ہے جو جائز طریقہ سے حاصل کیا جائے۔

حلال وطیب چیزیں کھانے پینے کا حکم دینے کے بعد فرمایا:

﴿وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ﴾

(اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو)

واضح رہے کہ دو قدموں کے درمیان فاصلہ کو "خطوہ" کہتے ہیں اور "خطوات" اسی کی جمع ہے۔

دراصل شیطان انسان کو آہستہ آہستہ بہکاتا ہے، گویا قدم بہ قدم لے چلتا ہے، اسی لیے "خطوات الشیطان" کہا گیا، وہ ایک دم سے غلط راستہ پیش نہیں کرتا بلکہ آہستہ آہستہ انسان کو راہ راست سے منحرف کرتا ہے، یہاں تک کہ انسان کو وہی چیز اچھی لگنے لگتی ہے، شیرہ لگانے کا واقعہ صحیح یا غلط جو بھی مشہور ہوگیا ہو، لیکن وہ خطواتِ شیطان کی اچھی تشریح ہے، قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے کھانے پینے کے تذکرہ کے بعد دو جگہ شیطان کی پیروی سے منع کیا ہے، اس لیے کہ جب انسان کے اندر کھانے پینے کی حرص حد سے بڑھ جائے تو اس میں ہر طرح کی مالی اور اخلاقی خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں، اس کے اندر بے غیرتی پیدا ہوتی ہے اور آخر میں حلال وحرام کی تمیز بھی اٹھ جاتی ہے، ظاہر ہے یہ سب شیطان کے خطوات ہیں، جن پر انسان کو چلا کر ایک اچھے بھلے انسان کو وہ غارت کر کے رکھ دیتا ہے۔ اسی طرح شیطان مال کی محبت بے پناہ دے کر کے انسان کو کنجوس بناتا ہے اور ہر انفاق کے وقت فقر کا خوف دلا کر اسے بے توفیق انسان بنانا چاہتا ہے، بلاشبہ یہ بھی ایک شیطانی خطوہ ہے۔ اسی طرح بعض اوقات نام ونمود اور اسراف میں مبتلا کر کے وہ انسان کو ریاکار بنادیتا ہے، اسی لیے بے وجہ خرچ کرنے والوں کو قرآن مجید میں "مُبَذِّرُ" کہا گیا ہے اور یہ شیطان کے بھائی ہوتے ہیں، فرمایا:

﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ﴾

(بلاشبہ فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں)

اسی طرح ریاکاری انسان کو منافقت کی طرف لے جاتی ہے اور یہ شیطان کا بڑا اقدام ہے جس سے وہ ابن آدم کو گمراہ کرتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَن يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا﴾

(جو اپنے مالوں کو لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں، نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، نہ آخرت کے دن پر، شیطان جس کا ساتھی بن گیا تو بڑا ہی برا ساتھی بنتا ہے)

واقعہ یہ ہے کہ اسراف، تبذیر، ریاکاری، تکبر، حرص، بے غیرتی، یہ سب شیطانی خطوات ہیں، جو کھاتے پیتے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے شیطان استعمال کرتا ہے، اسی لیے آیت کے اخیر میں فرمایا گیا:

﴿إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ (بے شک وہ کھلا ہوا دشمن ہے)

گرچہ شیطان سامنے نہیں آتا لیکن اس کی دشمنی کھلی ہوئی ہے اور یہی حقیقت بتانے کے لیے کتاب الٰہی انسانوں کو وہ روشنی عطا کرتی ہے جس سے شیطان کی ہر دشمنی طشت از بام ہوجاتی ہے۔

دینی استقامت اور ایمان کی اہمیت

محمد امین حسنی ندوی

''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، تم میں سے جب کوئی شخص جنت والا کام کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس کی تقدیر سامنے آجاتی ہے اور وہ جہنم والوں کا کام کرنے لگتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ جہنم میں ڈال دیا جاتا ہے اور اسی طرح تم میں سے کوئی شخص جہنمیوں کا عمل کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ جہنم کے بالکل قریب پہنچ جاتا ہے تو اس کی تقدیر سامنے آجاتی ہے اور وہ جنت والا عمل کرنے لگتا ہے اور جنت میں داخل کر دیا جاتا ہے۔'' (متفق علیہ)

انسان چاہے جتنے اچھے اعمال کرے پھر بھی اس کو اپنے اوپر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے، بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دوسروں پر خوب تنقید کرتے ہیں کہ فلاں جھوٹ بولتا ہے، فلاں چوری کرتا ہے، فلاں سود کھاتا ہے، فلاں کفریہ عمل کر رہا ہے اور اپنے بارے میں ان کو یہ خیال ہی نہیں آتا کہ ابھی ہماری زندگی ہے، خدانہ کرے کوئی ایسا کفریہ کام ہو جائے جس کی بنیاد پر جہنم میں پھینک دیا جائے، کسی کے تعلق سے فیصلہ کرنے میں جلدی کرنا اور پھر اس کے لیے کوئی بھی ایسا فیصلہ کرنا جس کا وہ مستحق نہیں ہے تو اپنے لیے نقصان کی بات ہے، کیونکہ ہم ظاہری اعمال کو دیکھ کر فیصلہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ رازوں کا جاننے والا ہے، ''یَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى'' اس سے کوئی چیز مخفی نہیں، وہ مستقبل بھی ایسے ہی جانتا ہے جیسے ماضی اور حال، ہر انسان کو پہلے اپنی فکر کرنی چاہیے۔ آج دوسروں کی فکر کرنے کا رواج بہت بڑھ گیا ہے، دوسروں کی فکر کرنا اچھی بات ہے، لیکن اپنی فکر کے ساتھ ایسا نہ ہو کہ ہم چوری کریں اور دوسروں کو چوری سے روکیں، ہم سود کھائیں، دوسروں کے سامنے سود کی ممانعت بیان کریں، اسی لیے ہماری زبان میں وہ تاثیر نہیں جو صحابہ کرامؓ کی زبانوں میں تھی۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہے۔

جیسا خاتمہ ویسا انجام، کوئی بھی انسان اپنی عبادتوں اپنی محنتوں اور اپنے ذکر واذکار یا اپنے کسی بھی خیر کے کام پر غرور نہ کرے، کیونکہ کسی کو نہیں معلوم موت کب آئے گی، ہمارے سلف میں اس کا بہت اہتمام تھا، ہر شخص ڈرتا تھا کہ کہیں موت آنے سے پہلے ایمان نہ چلا جائے، ہمارے اسلاف ہر وقت استقامت کی دعا مانگتے تھے، کیونکہ استقامت ہی اصل چیز ہے، حافظ ابن رجب حنبلیؒ اپنی مشہور کتاب ''جامع العلوم والحکم'' میں تحریر کرتے ہیں:

''اصل استقامت دل کی استقامت ہے، اگر دل اللہ کی وحدانیت وصمدانیت پر جم گیا اور پورے طریقے سے اس کے اندر یہ بات بیٹھ گئی تو باقی اعضاء وجوارح بھی اپنا کام صحیح طریقے سے کریں گے اس لیے کہ دل اصل ہے اور دل کی حیثیت بادشاہ کی ہے۔''

اسی کی طرف آپ ﷺ نے اشارہ کیا ہے، حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''سن لو! جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے، اگر وہ صحیح تو پورا جسم صحیح اور اگر وہ خراب تو پورا جسم خراب اور وہ دل ہے۔''

اصل بنیاد دل ہے اور دل کی اصلاح ضروری ہے، ہمارے اکابر اصلاح قلب کے لیے اولیاء اللہ کے پاس جاتے تھے۔

ہم سب کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ ایمان کوئی جاگیر نہیں کہ مل گیا بس اب اس کی فکر کرو یا نہ کرو وہ تو ملا ہی رہے گا، آپ ﷺ برابر اس کی دعا کرتے تھے: ''اللھم یا مثبت القلوب! ثبت قلبی علی دینك، اللھم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتك.''

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نیک عمل کرنے میں جلدی کرو ان فتنوں سے پہلے پہلے جو تاریک رات کے حصہ کی طرح ہوں گے، صبح کو آدمی مومن ہوگا شام کو کافر، شام کو مومن ہوگا صبح کو کافر، دنیا کے چند ٹکڑوں کی خاطر وہ اپنا دین بیچے گا۔''

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ

بحیثیت ناظم ندوۃ العلماء

محمد ارمغان بدایونی ندوی

''مولانا علی میاں ندوی کی فکر وبصیرت، جہد وعمل اور سوز وگداز کے اثرات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ندوہ کو حیات نو بخش دی۔''
(مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ فراغت علمی کے بعد ۱۹۳۴ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مسند درس پر جلوہ افروز ہوئے، ندوہ میں ان کی دس سالہ مدتِ تدریس بلاشبہ افادیت ونافعیت سے بھری پری تھی اور ندوہ کے ذمہ داروں کو ان کی حسن کارکردگی کا بخوبی اعتراف تھا، اسی لیے انہیں ۱۹۴۸ء میں مجلس انتظامی کا رکن منتخب کیا گیا نیز ۱۹۴۹ء میں سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے اصرار پر ندوہ کا نائب معتمد تعلیم بنایا گیا اور سید صاحب کی وفات کے بعد ۱۹۵۴ء میں معتمد تعلیم کی حیثیت سے انکا انتخاب عمل میں آیا، پھر ندوہ کے انتظامی امور میں اپنے بڑے بھائی مولانا ڈاکٹر عبدالعلی حسنیؒ کی معاونت کے لیے غالباً ۱۹۵۸ء میں ندوہ کے نائب ناظم بھی منتخب ہوئے اور ڈاکٹر صاحبؒ کی وفات کے بعد تمام اراکین کی اتفاقِ آراء سے ۱۹۶۱ء میں مولانا علی میاں ندویؒ نے ندوہ کے عہدۂ نظامت کو وقار بخشا اور تا دم حیات (۱۹۹۹ء) وہ اسی منصب پر فائز رہے۔

مولانا علی میاں ندویؒ نے اپنی ہمہ جہت خدمات سے ندوہ کی تاریخ کا ایک نیا باب رقم کیا، ان کی خدمات علمی، انتظامی، تعمیری، تعلیمی، دعوتی اور اصلاحی تمام پہلوؤں پر محیط ہیں، انہوں نے ندوہ میں مختلف حیثیتوں سے تقریباً ۶۵ رسال بے لوث خدمت کی اور اپنی اولوالعزمی، منصوبہ بندی اور مخلصانہ وانتظامی صلاحیتوں کی بنیاد پر پوری دنیا میں ندوۃ العلماء کو ایک خاص وقار واعتبار حاصل کرایا۔

حضرت مولاناؒ جب ندوہ کے نائب ناظم منتخب ہوئے تب ندوہ میں طلباء اور تعمیرات کا اوسط زیادہ نہ تھا اور نہ ہی اس کی شہرت بام عروج کو پہنچی تھی، نیز تقسیم ہند کے المناک واقعہ کے سبب ندوہ کی مالی حالت بھی بہت کمزور ہوگئی تھی، اس لیے کہ مسلمانوں کی قوتِ امداد واعانت اور ان کے وسائل وذرائع آمدنی بہت محدود ہوگئے تھے۔

حضرت مولاناؒ نے اپنا فرض منصبی نبھاتے ہوئے ندوہ کی خاطر ملک وبیرون ملک کے متعدد اسفار کیے، جن میں ندوہ کا بھرپور اور جامع تعارف کرایا اور اس کے لیے مالی تعاون کی راہیں ہموار کیں، لیکن اس سلسلہ میں ان کی شان بے نیازی کو ذرا بھی داغ نہ لگا، بلکہ بعض اوقات ان کے یہ اسفار ندوہ کے حق میں کم اور ان لوگوں کے لیے زیادہ مفید ثابت ہوئے جن کو شرف میزبانی حاصل ہوا، حضرت مولاناؒ اپنے سفر برما کی روداد قلم بند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''ندوۃ العلماء کا مالی فائدہ تو کم ہوا، لیکن برما کا دینی فائدہ بفضلہٖ تعالیٰ ضرور ہوا۔'' (کاروان زندگی: ۱/ ۴۵۹)

حضرت مولاناؒ کی ان ثمر آور کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ندوہ میں طلباء وتعمیرات کی تعداد میں گرانقدر اضافہ ہوا اور رفتہ رفتہ ہندوستان کے طول وعرض میں ندوہ کے نظام کے مطابق ادارے قائم ہوئے۔

۱۹۶۱ء میں حضرت مولاناؒ ندوہ کے ناظم منتخب ہوئے، تو آپ کی تمام تر علمی ودینی خدمات کا مرکز عمل بھی ندوہ ہی لازم قرار پایا، جو بلاشبہ ندوہ کے وسیع تعارف کا ایک مؤثر ذریعہ ثابت ہوا، یہاں تک کہ پورے عالم اسلامی میں ندوہ کا تعارف اسلامی تہذیب کا گہوارہ اور اصلاح وتربیت کا بہترین مرکز کے طور پر ہوا ؎

انفاس علیؔ نے روشن پھر ندوہ کا جہاں میں نام کیا

حضرت مولاناؒ نے اپنے دور نظامت میں ابتداء سے انتہا تک سترہ سال پر محیط ایک جامع نظام تعلیم مرتب کیا اور عالیہ وفضیلت کو دو بڑے شعبوں میں تقسیم کیا، ایک علوم دینیہ کا شعبہ بنایا جس کے ذیل میں تفسیر وعلوم تفسیر، حدیث وعلوم حدیث اور فقہ واصول فقہ کے شعبے قائم کیے، دوسرا زبان وادب کا شعبہ بنایا جس کے ذیل میں ادب اور نقد وبلاغت کے شعبوں کو رکھا، اس کے بعد علوم دینیہ کے شعبہ سے متعلق طلباء کے لیے دارالعلوم ہی میں قضاء وافتاء نیز دعوہ وفکر اسلامی کے اہم شعبے بھی بنائے اور عالمیت سے فراغت کے بعد طلبہ کو اختیار دیا

کہ وہ اپنے مزاج ومذاق کے لحاظ سے مناسب شعبہ میں داخلہ لیں۔

حضرت مولاناؒ نے اپنے دور نظامت میں دار العلوم کے تعلیمی وتعمیری مقاصد کی تکمیل وتحصیل کے لیے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیے جن کی وجہ سے عالمی سطح پر فکر ندوہ کے اعلیٰ تخیل کا تعارف ہوا اور اسے ترقی واستحکام کے بہتر مواقع نصیب ہوئے۔ فکر ندوہ کا ایک اہم عنصر عصری تقاضوں سے ہم آہنگ نظام تعلیم ہے، جو قدیم روایتوں اور جدید تقاضوں کا جامع ہو، اسی کے پیش نظر حضرت مولاناؒ نے ندوہ میں ایک متوازن نظام تعلیم کا کامیاب تجربہ کیا اور عصری دانش گاہوں سے فارغین کے لیے پانچ سالہ خصوصی درجات کا نظام بھی قائم کیا۔

یہ بھی فکر ندوہ کے بلند ترین مقاصد میں شامل ہے کہ طالب علم درسی کتب پر عبور کے ساتھ معاصر زبانوں اور بالخصوص عربی واردو زبان میں تحریر وتقریر کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہو اور امت کے ہر طبقہ کو مخاطب کرنے کا اہل ہو، اسی کے پیش نظر حضرت مولاناؒ نے ''النادی العربی'' اور ''جمعیۃ الاصلاح'' کی بزموں کو رونق بخشی اور ان کے تحت مختلف انجمنیں سجائیں جن سے ایک عالم فیضیاب ہوا۔

اداروں کے تعارف اور ان کی ترجمانی میں ایک بڑا حصہ شعبہ صحافت ونشریات کا بھی ہوتا ہے، حضرت مولاناؒ نے اس سلسلہ میں بھی اہم انقلابی اقدامات کیے اور ندوہ کے شعبہ صحافت کی گونج پورے عالم میں سنی گئی، چنانچہ آپ کی سرپرستی میں عربی زبان میں ''الرائد'' اور البعث الاسلامی'' جیسے شہرۂ آفاق آرگن نکلے اور اردو زبان میں ''تعمیر حیات'' کا اجراء ہوا، ہندی زبان میں ''سچا راہی'' اور انگریزی میں ''The Fragrance of East'' جیسے مشہور رسائل وجرائد نے ندوہ کی دلآویز تصویر پیش کرنے میں پورا حصہ لیا۔

''تاریخ ندوۃ العلماء'' کی ترتیب وتدوین کا زرّیں کام بھی حضرت مولاناؒ ہی کے دور نظامت کا حصہ ہے، جس سے نہ صرف یہ کہ ندوہ کے علمی ودینی کارناموں کو سمجھا جاسکتا ہے، بلکہ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی دینی، علمی، روحانی، اخلاقی وسیاسی اور تعلیمی زندگی میں تحریک ندوہ کا اساسی کردار کیا رہا ہے؟!

دعوت وفکر اسلامی اور تحقیق وتصنیف کے تقاضوں کی تکمیل کے لیے نیز جدید ذہنوں کو معتدل اور اسلامی لٹریچر کی فراہمی کے لیے حضرت مولاناؒ نے ندوہ ہی کے احاطہ میں ''مجلس تحقیقات ونشریات اسلام'' کی بنا بھی ڈالی جس سے کئی سو چھوٹے بڑے وقیع رسائل طبع ہوئے اور پورے عالم نے ان سے استفادہ کیا۔

عصر حاضر میں جدید فقہی مسائل اور احکام شرعیہ کی تحقیق وتعیین کے لیے ''مجلس تحقیقات شرعیہ'' کا قیام بھی آپ ہی کا رہین منت ہے۔

مسلم سماج میں دینی بیداری واصلاح رسوم کے لیے جدوجہد بھی ندوہ کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے، جس کے لیے ''شعبہ دعوت وارشاد'' اور ''شعبہ اصلاح معاشرہ'' کے تحت باضابطہ ومنظم طریقہ پر محنتیں کی جاتی ہیں، اسی طرح ندوہ کے مالی وتعمیری امور کی نگرانی کے لیے ''شعبہ تعمیر وترقی'' بھی اس کا ایک اہم شعبہ ہے اور ان تمام شعبوں کی تجدید اور ان کی ترقی واستحکام میں حضرت مولاناؒ کی محنتوں کو تاریخ ندوہ میں کبھی بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

ندوۃ العلماء کی فکر سے ہم آہنگ ملک وبیرون ملک میں جب دینی مدارس کی تعداد میں اضافہ ہوا، جن کا فکری وتعلیمی الحاق ندوہ سے تھا، تو ان کی مستقل نگرانی کے لیے ''شعبہ مدارس ملحقہ'' کا قیام بھی حضرت مولاناؒ ہی کے زمانہ میں ہوا۔ اسی طرح شہر لکھنؤ میں مکاتب کا مستقل نظام جاری رکھنے اور اس کے انتظامی امور کی نگرانی کے لیے ''شعبہ مکاتب شہر'' کے نام سے مستقل شعبہ قائم کیا گیا۔

کسی بھی ادارہ کا کتب خانہ اس کی علمی گہرائی کا امین ہوتا ہے، ۱۹۶۱ء سے قبل ندوہ کا مرکزی کتب خانہ دار العلوم کی درس گاہ کے ایک ہال میں تھا، حضرت مولاناؒ ہی کے دور نظامت میں اس کے لیے ایک مستقل پانچ منزلہ پرشکوہ عمارت ''علامہ شبلی نعمانی لائبریری'' کے نام سے تعمیر ہوئی اور عہد بہ عہد اس کی ترقی ہوتی رہی، پھر طلبہ کی روز افزوں تعداد میں اضافہ کے سبب ہر شعبہ اور ہر رواق کی ایک مستقل لائبریری کا قیام بھی آپ کے دور نظامت سے شروع ہوا۔

تعمیرات کے باب میں شبلی لائبریری کے علاوہ متعدد دفاتر،

معہد القرآن، قدیم ہاسٹلوں میں توسیع اور جدید ہاسٹلوں کی تعمیر نیز طلبہ کی بہترین صحت کے لیے ایک جم خانہ کا قیام بھی حضرت مولاناؒ کے ہی دور نظامت کی ایک سنہری کڑی ہے۔

رابطہ ادب اسلامی کا قیام بھی حضرت مولاناؒ کے ہی فکر تخیل پر مبنی ہے، مولانا تادم حیات اس کے صدر رہے اور اس کا مرکزی دفتر ندوۃ العلماء ہی میں ہے، اسی لیے اس پلیٹ فارم کے تحت ہونے والی کاوشیں بھی ندوہ کی ترقی کے لیے سنگ میل ثابت ہوئیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ندوۃ العلماء نے حضرت مولاناؒ کے عہد نظامت میں ایسی حیرت انگیز ترقی کی کہ اس نے بہت جلد ایک ایسے جامعہ کی شکل اختیار کر لی، جس کو عوامی، دینی اور عصری طبقوں میں یکساں طور پر قبول حاصل ہو گیا، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی نے ندوۃ العلماء کی اسی جامعیت کو ان جامع الفاظ میں ذکر کیا ہے:

''ندوۃ العلماء پورے عالم اسلام بلکہ پوری دنیا کے دانشور طبقہ میں جانا پہچانا ادارہ بن چکا ہے، جو اپنے تعلیمی مدارج کے اعتبار سے یونیورسٹی کے معیار تعلیم کے مطابق ہے اور نصاب کے اعتبار سے کسی بھی بڑی دینی درس گاہ کی خصوصیات کا حامل ہے اور مضامین نصاب کے اعتبار سے قدیم وجدید کے صالح اور ضروری مضامین کو جمع کیے ہوئے ہے اور اس کے کام اور نام کو اب بہت وقیع سمجھا جانے لگا ہے۔'' (عہد ساز شخصیت: ۲۴۲)

ندوہ کی تاریخ اور حضرت مولاناؒ کے دور نظامت کو جو چیز اوج کمال تک پہنچاتی ہے، جس کے بعد ندوہ ایک عالمی دانش گاہ اور پورے عالم اسلامی کی توجہات کا مرکز بن گیا اور اس کے ذریعہ وسیع پیمانہ پر تحریک ندوہ کا کما حقہ تعارف ہوا، وہ ندوۃ العلماء کا پچاسی سالہ جشن تعلیمی ہے، جس میں حضرت مولاناؒ کی دعوت پر بیک وقت عالم اسلام کی وسیع قلمرو سے ہر رنگ وبو کے پھول ایک اسٹیج پر اکٹھا ہو گئے تھے، اس تاریخ ساز اجلاس میں حضرت مولاناؒ نے ندوہ کے مسلک، اس کی تاریخ اور اس کی فکر ومقاصد سے دنیا کی تمام قد آور شخصیات کو روشناس کرایا، جس کا اثر یہ ہوا کہ بقول مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی مدظلہ:

''یہ اجلاس دار العلوم کی تاریخ میں ایک ایسا نقطہ آغاز ثابت ہوا کہ جس کے نتیجہ میں عالمی سطح پر اور وسیع پیمانہ پر دار العلوم اور اس کی تحریک ندوۃ العلماء کا تعارف ہوا اور ملکی سطح پر بھی ان حلقوں سے جو اب تک اس کی صدا سے متوحش اور اس کے پیغام سے نا آشنا تھے، غلط فہمیاں دور ہوئیں اور عوامی سطح پر اس کا اچھا تعارف ہوا۔''

(سوانح مفکر اسلام: ۳۳۱)

طلبہ واساتذہ کی فکر ونظر میں وسعت پیدا کرنے کے لیے توسیعی خطبات کی روایت بھی حضرت مولاناؒ ہی کی جاری کردہ ہے، جس کے لیے آپ مسجد اقصیٰ، حرمین شریفین کے ائمہ اور بالخصوص عالم اسلامی کی ممتاز ترین شخصیات کو وقتاً فوقتاً ندوہ میں مدعو کرتے رہتے تھے، تاکہ عالمی سطح پر ندوہ کا علمی قد نمایاں نظر آئے۔

حضرت مولاناؒ کے دور نظامت میں ندوہ کے احاطہ میں بے شمار اجتماعات اور کانفرنسوں کا انعقاد بھی عمل میں آیا، لیکن چار اہم بین الاقوامی کانفرنسیں ایسی منعقد ہوئیں جو دور دراز کے علاقوں تک اہل علم ودین کے حلقوں میں لائق تحسین قرار پائیں، پہلی کانفرنس دینی تعلیم کے موضوع پر اور دوسری ادب اسلامی کے موضوع پر ہوئی، تیسری کانفرنس بھی ادب اسلامی کے موضوع پر منعقد ہوئی جس میں رابطہ کا قیام عمل میں آیا اور چوتھی رد قادیانیت کے موضوع پر ہوئی۔

حضرت مولاناؒ کے نزدیک درسگاہ کا تصور تربیت گاہ کا تھا جس کے اندر مخصوص مقاصد کے ساتھ نسل نو کی ذہنی وفکری تشکیل کی جاتی ہے، اسی لیے آپ نے نظام تعلیم کی ظاہری اصلاح کے ساتھ طلبہ میں صحیح دینی فکر وشعور کو بھی پروان چڑھایا، ان کا دعوتی مزاج بنایا اور خوابیدہ جذبات وصلاحیتوں کو بیدار کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ندوہ میں علمی، تحقیقی اور ادبی ماحول کے ساتھ وہاں کی فضا میں روحانیت، خدا ترسی اور خوف خدا سے لبریز عمومی جذبہ بھی نظر آنے لگا۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کے الفاظ سچ ہیں:

''مولاناؒ کچھ کم چالیس سال ندوہ کے ناظم اعلیٰ رہے، یہ پورا عرصہ ندوہ کی ترقی، تعلیمی معیار کی بلندی اور وقعت ووقار میں اضافہ کا زمانہ ہے۔'' (عبقری شخصیت: ۱۶۲)

شب برأت - اکابر امت کی نظر میں

انتخاب وپیش کش: - محمد نجم الدین ندوی

''لیلة القدر کے بعد شعبان کی پندرہویں رات سے زیادہ افضل کوئی رات نہیں۔'' (لطائف المعارف:۱۵۱)

(حضرت عطاء بن یسارؒ)

''اہل شام کے تابعین شعبان کی پندرہویں رات کی تعظیم کرتے تھے اور اس رات خوب محنت سے عبادت فرماتے تھے، انہی حضرات سے لوگوں نے شب برأت کی فضیلت کو لیا ہے۔'' (لطائف المعارف:۱۵۱)

(علامہ ابن رجب حنبلیؒ)

''پانچ راتوں میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے: (۱) جمعہ کی رات، (۲) عید الاضحیٰ کی رات، (۳) عید الفطر کی رات، (۴) رجب کی پہلی رات، (۵) نصف شعبان کی رات۔ میں نے ان راتوں کے متعلق جو بیان کیا ہے اسے مستحب سمجھتا ہوں، فرض نہیں سمجھتا۔'' (کتاب الام:۱/۲۳۱)

(امام شافعیؒ)

''رمضان کی آخری دس راتوں میں، عیدین کی راتوں میں، ذی الحجہ کی دس راتوں میں اور شعبان کی پندرہویں رات میں شب بیداری کرنا مستحبات میں سے ہے۔'' (البحر الرائق:۲/۵۶)

(علامہ ابن نجیم مصری)

''شب برأت کی اتنی اصل ہے کہ اس مہینہ کی پندرہویں رات اور پندرہواں دن بہت بزرگی اور برکت کا ہے۔''
(بہشتی زیور:۶/۸۵)

(حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ)

''شب برأت میں اہتمامِ عبادت بدعت نہیں، اس لیے روایات کا تعدد اور ان کا مجموعہ اس پر دال ہے کہ لیلة البراءة کی فضیلت بے اصل نہیں، دوسرے امت کا تعامل لیلة البراءت میں بیداری اور عبادت کا خاص اہتمام کرنے کا رہا ہے، لہٰذا لیلة البراءة کی فضیلت ثابت ہے اور ہمارے زمانہ کے بعض ظاہر پرست لوگوں نے احادیث کے محض اسنادی ضعف کو دیکھ کر لیلة البراءة کی فضیلت کو بے اثر قرار دینے کی جو کوشش کی ہے وہ درست نہیں۔'' (درس ترمذی:۲/۵۷۹)

(شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 15 ✦ March 2023 ✦ Issue: 03

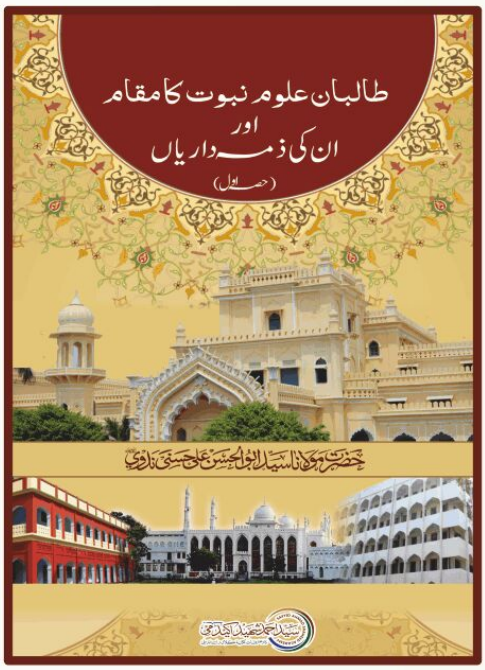

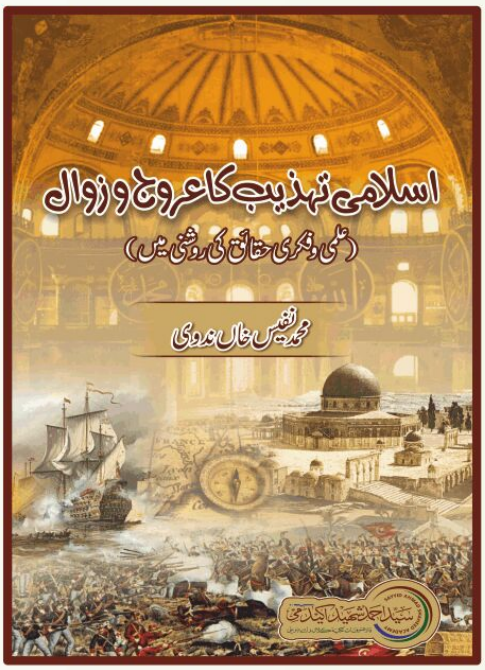

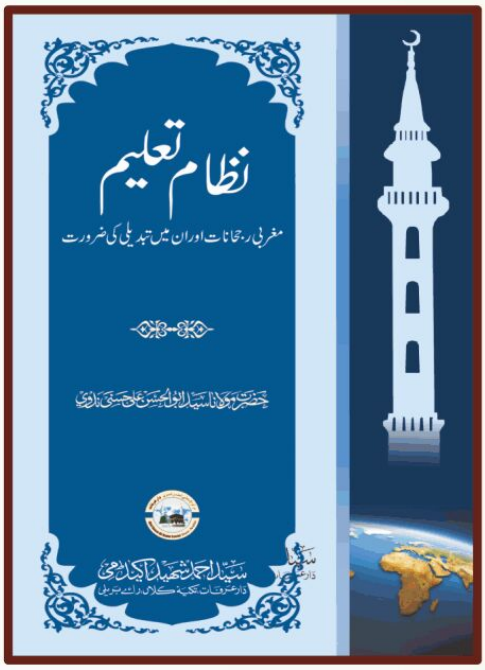

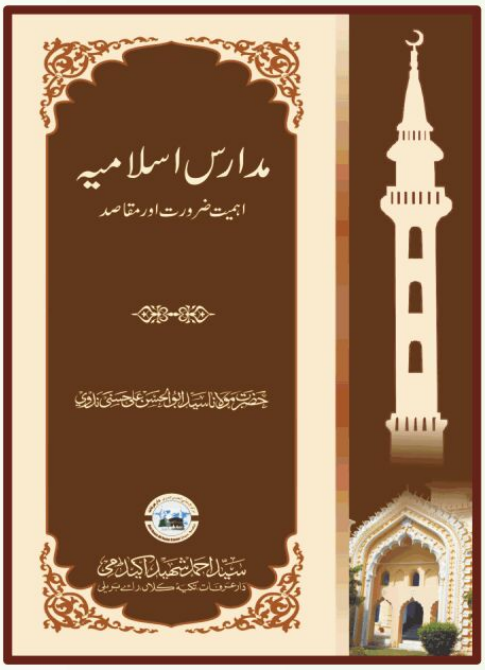

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)